بیادگار: مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عثمان معروفی علیہ الرحمۃ، متوفی ۲۰۰۱ عیسوی

سرپرست: حضرت مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب، شیخ الحدیث جامعہ ام حبیبہ، پورہ معروف

ماہ ستمبر، ۲۰۲۳ء مطابق صفر و ربیع الاول ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ پیغام پورہ معروف

مدیر: انصار احمد معروفی

نائب مدیر: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

شائع کردہ:

دفتر ماہنامہ پیغام، پورہ معرف، محلہ بلوہ، کرتھی جعفر پور، ضلع مئو۔

فہرست

قرآن کریم کی فضیلت: انصار احمد معروفی

حج وعمرہ مشاہدات وتاثرات، تیسری قسط: انصار احمد معروفی

حضرت مولانا عبد الستار صاحب معروفیؒ: مفتی ابوالمکارم معروفی

مولانا متین الحق اسامہؒ: انصار احمد معروفی

علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو: مبصر اسامہ ارشاد معروفی

مولانا مسیح الدین معروفی، شخصیت اور شاعری: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

عربی حکایت: مولانا مسعود عالم معروفی

نیکی کی حفاظت: مولانا صفی اللہ

قرآن کی فضیلت

کتاب ہدایت قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ امت کو ہدایت سے نوازتا ہے، اسی لیے اس کی آیتوں کو خوب واضح کردیا ہے تاکہ اس کا سمجھنا اور اس سے استفادہ آسان ہوجائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍۙ-وَّ اَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ (16) سورہ حج۔
اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو روشن آیتوں کی صورت میں نازل فرمایا اور یہ کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ایسے دلائل نازل فرمائے جن میں کچھ اِبہام نہیں کہ جو شخص ان میں غور کرے اس شخص پر حق واضح ہوجائے، نیز اس پر عقیدۂ توحید، قیامت اور سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رسالت واضح ہوجائے، اور دلائل خواہ کتنے ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہوں، ہدایت اسے ہی ملتی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

ہدایت حاصل ہونے کا ایک عظیم ذریعہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآنِ عظیم ہدایت ملنے، ہدایت پر ثابت قدمی عطا ہونے اور ہدایت میں اضافے کا ایک عظیم ترین ذریعہ ہے اور قرآنِ مجید سیکھنے میں مشغول ہونا اور اس کے دیئے ہوئے احکامات پر عمل کرنا ہدایت کی علامات میں سے ایک علامت ہے، لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید پر ایمان لانے کی توفیق دی ہے اسے چاہئے کہ وہ قرآنِ کریم صحیح طریقے سے پڑھنا سیکھے، اسے سمجھنے کی کوشش کرے، اس میں دیئے گئے تمام اَحکامات پر عمل کرے اور جن کاموں سے منع کیا گیا ان سے باز رہے تاکہ اسے ہدایت پر ثابت قدمی نصیب ہو اور اس کی ہدایت میں مزید اضافہ بھی ہو۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہ تعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے کچھ قوموں کو سربلند کرے گا اور کچھ کو گرادے گا۔(مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ۔۔الخ، ص ۴۰۷، الحدیث: ۲۶۹(۸۱۷))

علامہ اسماعیل حقی رَحْمَۃُ اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں ''وہ لوگ جو قرآن کریم پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا انہیں اللہ تعالیٰ سربلند کرے گا اور جنہوں نے قرآنِ عظیم پر ایمان لانے سے اِعراض کیا اور اس کے احکامات پر عمل نہ کیا انہیں اللہ تعالیٰ گرادے گا۔(روح البیان، الحج، تحت الآیۃ: ۱۶، ۶ / ۱۴)

قرآن مجید کے سلسلے میں صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہ تعَالٰی عَنْہُم کا حال یہ تھا کہ وہ قرآنِ کریم کی دس آیتیں سیکھتے اور اس وقت تک دوسری آیات سیکھنے کی طرف متوجہ نہ ہوتے جب تک ان دس آیتوں کے تمام تقاضوں پر عمل نہ کرلیتے، یونہی وہ انتہائی تنگدستی کے باوجود قرآنِ عظیم سننے سنانے اور اس کی آیات میں غور وفکر کرنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہ تعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں ''میں غریب مہاجرین کی ایک جماعت میں جا بیٹھا جو نیم برہنہ ہونے کے باعث ایک دوسرے سے بمشکل اپنا ستر چھپاتے تھے۔ ہم میں ایک قاری صاحب قرآنِ مجید پڑھ رہے تھے کہ حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ تشریف لے آئے، جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہمارے پاس کھڑے ہوئے تو قاری صاحب خاموش ہوگئے۔ آپ نے سلام کیا اور ارشاد فرمایا ''تم کیا کررہے ہو؟ ہم نے عرض کیا: یا رسولَ اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، یہ ہمیں قرآن سنا رہے ہیں اور ہم غور سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سن رہے ہیں۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ بھی شامل فرمائے جن کے ساتھ ٹھہرے رہنے کا مجھے بھی حکم دیا گیا ہے۔(ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، ۳ / ۴۵۲، الحدیث: ۳۶۶۶)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کے احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حج وعمرہ ۲۰۲۳ مشاہدات وتائثرات

تیسری قسط۔ انصاراحمد معروفی

حج وعمرہ میں روم کے ساتھی: موبائل فون کے ماہرین اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والے بعض حجاج کرام نے حج کمیٹی کی ویب سائٹ سرچ کر کے حج سے قبل گھر سے ہی معلوم کرلیا تھا کہ مکۃ المکرمہ میں ان کے کمرے کے ساتھی کون صاحب ہیں اور کہاں کے ہیں؟ بلکہ بلڈنگ اور روم نمبر کا بھی پتہ کرلیا تھا، چنانچہ پورہ معروف کے حاجی شمشاد صاحب نے یہ ساری معلومات پہلے سے ہی حاصل کرلی تھی، ہم لوگ دس جون کی رات کو جب مولانا علی میاں حج ہاؤس لکھنؤ میں پہنچے تو ایک جگہ سامان رکھنے کے بعد جب ویزا اور دیگر دستاویزات کے حصول لیے حرکت میں آئے تو مئو کے ایک صاحب میری رہنمائی کرتے ہوئے متعلقہ آفس اور کاؤنٹر پر لے گئے اور تمام کاغذات دلا دیے، انہوں نے میرے کاغذات اور ٹکٹ وغیرہ دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ جن حاجی (محمد شاہد) صاحب کو یہاں تک پہنچانے آئے ہیں، وہی آپ کے روم پاٹنر ہوں گے، میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے علم ہوگیا؟ تو انہوں نے جب مجھے کاغذات پر لکھی ہوئی ساری تفصیلات دکھائی تو مجھے حیرت ہوئی، اتفاق سے جہاں ہم لوگ اپنے سامان رکھے ہوئے تھے، اسی کے بازو میں ان حضرات کا بھی قیام تھا جو ہمارے روم کے ساتھی بننے والے تھے، مگر آٹھ دس افراد میں اس کا علم نہیں ہو پایا، کیوں کہ ان لوگوں میں کوئی ممتاز علامت نہیں تھی جس سے خیال ہوتا کہ یہی صاحب ہمارے ساتھی ہوں گے، بھیڑ بھاڑ میں اس کا پتہ لگانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، کیوں کہ وقت کم تھا، تھکن بھی زیادہ تھی، اور ابھی ہمارے کچھ ساتھی شاید باہر تھے، البتہ جب مکہ مکرمہ جا کر اپنی بلڈنگ میں رسائی ہوگئی، تو وہاں ملاقات اور تعارف ہوا، ہم لوگ ان لوگوں سے پہلے کمرہ میں داخل ہوئے اور بعد میں مئو کے محلہ چاند پورہ کے ہمارے روم پاٹنر اس وقت آئے جب ہم لوگ اپنے اپنے بیڈ کا انتخاب کر چکے تھے، اس کمرہ میں چار آرام دہ بیڈ بچھا ہوا تھا، مئو کے یہ نوجوان ساتھی حاجی محمد شاہد صاحب ابن حاجی محمد نسیم صاحب تھے، جو ہماری طرح اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ آئے ہوئے تھے، ان کی اہلیہ محترمہ مئو تبلیغی جماعت کے سرگرم کارکن مولانا نثار احمد صاحب کی بھتیجی تھیں، جن کی شکل وصورت حضرت مولانا سے خوب ملتی جلتی تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ لوگ بہت اچھے دوست اور بہترین معاون ثابت ہوئے، ہر طرح سے آپس میں یگانگت اور محبتیں ایک دوسرے کے ساتھ شامل رہیں، مل جل کر ایک وفادار ساتھی کی طرح ہر کام میں ہاتھ بٹانے اور مدد پہنچانے میں اچھا کردار ادا کیا، مکہ مکرمہ میں جب تک رہے کبھی بھی شکایت کا موقع کسی کو کسی سے نہیں رہا، ان کی حجن؛ جو ہماری حجن سے کم عمر اور تندرست تھیں، انہوں نے کھانا بنانے اور دیگر کاموں میں میری اہلیہ کی بھرپور مدد کی، بلکہ اکثر پکانے اور دوڑ دھوپ کا کام اپنے ذمہ لے کر خدمتوں سے دل خوش کر دیا کرتی تھیں۔ ان کے کوئی مہمان آتے تو اٹھ کر فوراً چائے بنا دیتیں، لیکن جب ہمارا بھی کوئی مہمان آتا تو بھی فوراً بھاگ کر دودھ کی لذیذ چائے بنا کر پیش کر دیتیں، اور ہم لوگوں کی دعائیں سمیٹ لیتیں، جب کسی کی بے لوث خدمت سے دل خوش ہوتا ہے تو زبان کے بجائے دل سے دعا نکلتی ہے اور سیدھے عرشِ اعظم تک پہنچتی ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے کتنے کام بنا دیتا ہے۔

وہ بہت نفاست پسند تھیں اور صفائی وستھرائی کا بہت لحاظ کرتی تھیں، کھانا بنا کر کچن کی بھی صفائی کر دیتیں، جب کہ اور خواتین اس معاملے میں پس و پیش میں مبتلا رہتیں، گیس چولھا؛ جس پر اس فلور کے سب لوگ باری باری کھانا بناتے تھے، مگر وہ حجن کھانا بنا کر چولھے کو صاف کر کے اسے چمکا دیتیں، باہر ہال اور باتھ روم کی صفائی کے لیے ملازمین آتے تھے، مگر اپنے کمرے کی صفائی خود ہی کرنی پڑتی تھی، حجن بیڈ کے درمیان بچھی ہوئی قالین کو اکثر اٹھا کر پہلے صفائی کرتیں اور پھر پونچھا بھی لگا دیتیں، انہیں گندگی وغیرہ برداشت نہیں ہوتی تھی اور کسی کا انتظار کیے بغیر خود ہی صفائی کا التزام کرتیں، اس سلسلے میں وہ کسی کو طعنہ بھی نہیں دیتیں تھیں کہ فلانی ایسی ہے اور فلانی ویسی ہے، بلکہ اپنی پاکیزگی اور نفاست کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود سارا کام کرنے لگتیں۔

مہمانوں کے تئیں فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ چائے کے علاوہ ضیافت کے اپنے ذاتی سامان کو نکال کر ہمارے مہمانوں کے سامنے رکھ

دیتیں اور مہمان نوازی کی بہترین مثال پیش کرکے اپنی محبتوں کے نقوش دلوں پر چھوڑ دیتیں۔ وہ غمخوار اور رحمدل بھی ہیں، میری اہلیہ محترمہ جب بخار اور جسمانی درد کا شکار ہوئیں، انہوں نے از خود پکانے اور صفائی کا کام سنبھال لیا، وہ ان کے سر پر تیل کی مالش کردیتیں، اور دوسری تمام قسم کی ممکنہ راحت پہنچانے کے لیے موجود رہتیں، منیٰ کے خیمے میں کئی دن انہوں نے بہترین تیارداری کی، مکہ مکرمہ اور مشاعر مقدسہ میں نیکیوں کا اجر وثواب کتنا بڑھ جاتا ہے، جو بھی ان جگہوں پر کسی کے دکھ درد میں کام آجائے، اس کی خوش قسمتی کا کیا کہنا؟ اس نے بندیٔ خدا نے خدمت سے بندوں کو خوش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو بھی راضی کرلیا، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور دونوں جہان میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ پڑھی لکھی تھیں، اس لیے اگر میں اور شاہد بھائی اپنی اپنی اہلیہ کے ہمراہ حرم مکی ساتھ گئے ہیں تو ہم لوگوں کو نیچے مطاف میں جانے کی اجازت نہیں ملتی، مگر عورتوں کے لئے چھوٹ دی گئی تھی، اس لیے وہ دونوں عورتیں ہم دونوں سے الگ ہوکر ایک ساتھ مطاف میں چلی جاتیں، ساتھ واپسی کے لیے ان کے پاس ایک موبائل ہوتا اور ایک ہم لوگوں کے ساتھ ہوتا، اس لیے مسرت حجن کال کرکے میری اہلیہ کے ساتھ نکل کر ابو جہل حمام کے پاس موجود رہتیں، اگر موبائل میں بیلنس نہ ہوتا، یا سرے سے موبائل ہی نہ ہوتا تو وہ کسی پولیس والے سے بات کرکے ایک کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر پر فون لگوادیتیں اور اس طرح بات چیت ہوجاتی، ورنہ میری اہلیہ محترمہ ان کاموں میں سے کسی بھی کام کے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تھیں۔ ہم اور حاجی صاحب بھی کبھی کبھی ایک دوسرے بچھڑ جاتے تھے، حاجی شاہد صاحب کہتے تھے کہ وہ دونوں ہماری طرح ایک دوسرے سے نہ بچھڑیں، ورنہ بڑی مصیبت ہوجائے گی، ہم دونوں اکثر بچھڑ جاتے تھے اور پھر نماز کے بعد ایک متعینہ مقام پر آکر مل لیتے تھے، میں نے حاجی صاحب کو اطمینان دلایا کہ میری اہلیہ آپ کی اہلیہ سے اس لیے جدا نہیں ہوسکتی کیونکہ کہ اسے کچھ بھی معلومات نہیں ہے، اس لیے وہ کبھی بھی آپ کی اہلیہ کا دامن نہیں چھوڑ سکتی، اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال رہی۔

وہ نوجوان جو سعودی عرب میں مقیم ہیں اور برسر روزگار ہیں، وہ جب ملاقات کو آتے تو اپنے ساتھ بطور اکرام کھانے پینے کے ہدایا لاتے، اس قسم کی ملنے والی تمام اشیا وہ ہم لوگوں میں تقسیم کیے بغیر نہیں کھا سکتی تھیں، آپس کے تعلقات کی خوشگواری عموماً خواتین کی دانشمندی اور دلوں میں باہمی محبتوں کے نقوش ثبت کرنے سے قائم رہتی ہے، اس تعلق سے حاجی محمد شاہد صاحب کی اہلیہ قابلِ تعریف ہیں۔

حاجی محمد شاہد صاحب بھی بیدار مغز اور دانشمند ہیں، تعلیم الدین انٹر کالج سے تعلیم حاصل کی ہے اور اب انصاری ٹی وی ایس کے بالمقابل اپنی پلائی وڈ کی دکان کھول رکھی ہے، ان کے والد محترم حاجی محمد نسیم صاحب بھی رحمدل اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنے والے ہیں۔ اچھے ساتھی اور ملنسار پڑوسی کا مل جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان رہا کہ پورے سفر میں کسی ساتھی سے کسی قسم کی کوئی ناخوشگوار باتیں نہیں ہوئیں، ہر موقع پر غم گسار احباب ملے، ایک دوسرے کی ضرورتوں میں کام آنے والے اور اچھے مشورے دینے والے ملے۔ حج کمیٹی کی جانب سے اس سال کوئی ہدیہ اور تحفہ جو عموماً ہر سال دیا جاتا تھا، وہ نہیں ملا، نہ چھتری، نہ بیگ نہ سم کارڈ اور نہ ہی کوئی گفٹ، اس لیے وہاں جاتے ہی سبھی حضرات کو سم کارڈ کی ضرورت پیش آئی، میں نے مئو کے محمد اسامہ سے اس سلسلے میں جب بات کی تو وہ مجھے ایک جگہ لے گئے اور نیا سم کارڈ 90 ریال میں دلایا۔

عزیزیہ میں شارع الهدایة بلڈنگ:

ہم لوگوں کی بلڈنگ عزیزیہ میں شارع الہدایہ پر تھی، سامنے فندق الہدایہ یعنی ہدایہ ٹاور تھا، جو بڑا ہی وسیع وعریض تھا، اس میں حجاج اہل یمن کا قیام تھا، یہ ٹاور بہت مشہور ہے۔ اسی کے بالمقابل ہمارا ہوٹل تھا جس کا نام تھا'' فندق الہجرہ سبعة الفندقية۔ یہ ہوٹل بہت بلند وبالا نہیں تھا، اس میں سات منزل تھی، لفٹ ایک تھی، ہر فلور پر 7 کمرے اور درمیان میں ایک ہال تھا، کمرے خوبصورت اور راحت رساں تھے، دو کمروں میں ایک طہارت خانہ تھا، اسی میں غسل خانہ بھی رہتا تھا۔ روزانہ کمرے میں آب زمزم مل جاتا، مگر صرف دو چھوٹے چھوٹے بوتل، اس کے ساتھ فلٹر پانی بھی ٹھنڈا اور گرم موجود رہتا تھا، ہر کمرے میں فریج بھی تھی، بجلی کبھی کٹتی نہیں دیکھی گئی، ''اے، سی'' کے بغیر وہاں کسی کا گزارا نہیں ہوسکتا، سات کمروں میں ایک کچن تھا جس میں ایک گیس

سلنڈر اور چولھا تھا، اس پر باری باری سب لوگ کھانا پکالیا کرتے تھے۔ البتہ وائی فائی کی سہولت تھی مگر مضبوط اور بہتر نہیں تھی، مکہ کی اس بلڈنگ میں دو منزل اوپر ہمارے پورہ معروف کے حاجی محمد شمشاد صاحب اور قاری خلیل الرحمٰن صاحب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے، اسی عمارت میں نئی بستی پارہ کے جناب حاجی بدرالزماں ابن امانت اللہ صاحب بھی قیام پذیر تھے۔

جامع مسجد المنیرہ : بلڈنگ کے قریب ہی منیرہ روڈ ہے، جس پر بڑی سی جامع مسجد ہے، اس کا نام "مسجد المنیر ہ" تھا، جو نمازیوں سے بھر جاتی تھی اور موسم حج قریب آنے پر باہر نماز پڑھنی پڑتی تھی، اس لیے ذی الحجہ کی تین یا چار تاریخ سے ہم لوگ بلڈنگ کے تہ خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، جس کا انتظام تقریبا تمام بلڈنگوں میں رہتا ہے، مولانا شاہنواز صاحب استاذ مدرسہ تعلیم الدین، مئو امامت کرتے تھے، جو مصلیوں کی رعایت میں ہلکی پھلکی نماز پڑھاتے تھے۔ مسجد المنیر ہ کے امام ومؤذن عربی معلوم ہوتے تھے اور جبہ پہنتے تھے، ویسے تو وہاں کے بہت سے خارجین بھی جبۂ ودستار میں نظر آتے ہیں، مگران کی قرأت اور عربی لہجہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اہل عرب میں سے ہیں۔ مسجد میں قالین بچھی ہوئی رہتی ہے، اور ایک ملازم ظہر کی نماز کے بعد روزانہ اس کی صفائی کرتا ہے۔ اکثر مسجدوں میں آگے کی صف میں کمر کو ٹیک لگا کر بیٹھنے اور راحت کے لیے ''ٹیکا'' بھی بنا ہوا رہتا ہے، نمازی حضرات تلاوت وغیرہ اور انتظار صلوٰۃ میں اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کرسیوں کا بھی ذخیرہ موجود رہتا ہے، جو ضرورت مند حضرات کے کام آتی رہتی ہیں۔ بہت سے مصلیان اذان سے بھی پہلے مسجد میں حاضر ہوکر ذکر وتلاوت میں مصروف نظر آتے، اور بہت سے باتوفیق حضرات نمازوں سے فراغت کے بعد اوراد ووظائف میں مشغول ہوجاتے، البتہ بہت سے عجلت پسند مصلیان امام کے سلام پھیرتے ہی باہر جانے کے لیے بیتاب دکھائی دیتے ہیں، ایسا لگتا تھا جیسے نماز ہی میں انہیں کسی ضروری کام کا خیال آ گیا ہو، جس کی انجام دہی کے لیے بہت جلد بازی میں بھاگتے ہوئے نکل جاتے، جب کہ سارے مصلیان حجاج کرام میں سے ہوتے تھے، وہاں اس مسجد میں سوڈانی، یمنی، مصری، پاکستانی، ہندی اور خلیجی ممالک کے حجاج کرام نظر آتے تھے، ایک دن میں ایک ہدایت؛ جو حج کے متعلق تھی، پڑھ رہا تھا، یہ ایک بڑا سا بورڈ تھا، جس پر حج کے مسائل عربی زبان میں اختصار کے ساتھ لکھے گئے تھے، اسی دوران ایک سوڈانی؛ جو پستہ قد تھے، وہ میرے پاس آکر کھڑے ہوگئے، انہوں نے عربی میں سوال کیا کہ آپ اس کو سمجھتے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، پھر میں یکے بعد دیگرے ان ہدایتوں کو ذرا آواز سے پڑھنے لگا، ایک جگہ عرفات ومزدلفہ میں حاجیوں کو قصر نماز پڑھنے کی تاکید لکھی ہوئی تھی، قطع نظر اس کے کہ وہ مقیم ہوں یا مسافر؟ اس سلسلے میں میں نے ان سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں قصر نماز ادا کی تھی، میں نے کہا کہ آپ ﷺ تو مسافر تھے، کہا کہ یہ تشریعی مسئلہ ہے، میں نے کہا کہ تشریعی مسئلے کا یہی تو مطلب ہے کہ شریعت اس مسئلے میں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ جس کی تفصیل دوسرے مقام پر مقیم اور مسافر کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی شخص مقیم ہے تو وہ کیوں قصر نماز ادا کرے گا؟ مگر وہ مطمئن نہیں ہوئے، کیوں کہ ان کے یہاں دوسرا مسئلہ موجود ہے۔ مگر وہ سوڈانی حاجی مجھے عربی زبان میں بات کرنے پر بہت خوش ہوئے۔

ایک جگہ سم کارڈ خریدنے پہنچے، وہ تقسیم کاریمنی تھے، میں اپنی بلڈنگ کے ایک ساتھ محمد اسامہ کے ہمراہ گیا تھا، جو ان سے انگریزی میں کچھ کچھ بات کررہے تھے، پھر میں نے جب عربی میں بات کی، اور خریداری کے سلسلے میں صاف عربی زبان میں گفتگو کی تو وہ کسی غیر زبان والوں کے عربی بولنے پر بے انتہا خوش ہوئے، مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ یہاں سعودی عربیہ میں رہ چکے ہیں؟ میں نے کہا کہ میری زبان گھریلو زبان لگتی ہے؟ میں نے یہ زبان اپنے یہاں ہندوستان کے عربی مدارس میں پڑھ کر سیکھی ہے، وہ بہت خوش ہوئے اور اسامہ کے بارے میں کہا کہ ان کو بھی عربی زبان سکھائیں، پھر کہا کہ عربی زبان کتنی اچھی زبان ہے۔

عموماً وہاں مصلیوں کی نماز کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے، اور ان کی سجدہ گاہ سے قریب ہوکر گزرنے میں لوگوں کو حجاب محسوس نہیں ہوتا ہے، جب کہ بڑی مسجدوں میں بھی نمازی کے اتنی دور سے گزرنے کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر نمازی اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے تو گزرنے والا اسے نظر نہ آئے، جس کا اندازہ نمازی کے جائے قیام سے تین صف آگے تک کیا گیا ہے۔ فتاویٰ، بنوری ٹاؤن، دارالافتا کراچی۔

حرمین شریفین میں تو اس سلسلے میں اتنی لا پروائی ہوتی ہے کہ کتنے غیر محتاط لوگ نمازیوں کے سر کو دھکا دیتے ہوئے، یا بالکل اس کے سجدہ کی جگہ سے ہو کر گزرتے تھے۔ دوسرے ممالک والوں کی دیکھا دیکھی برصغیر کے کچھ حجاج بھی اس سلسلے میں غفلت کے شکار نظر آئے۔

منیرہ مسجد میں شام کو مغرب سے قبل اکثر کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں، یا وہاں رکھی ہوئی رہتی تھیں جس کے ختم ہونے میں بہت دیر نہیں لگتی تھی، کھجور کے ساتھ ٹھنڈا پانی بھی وافر مقدار میں رکھا رہتا تھا، جو ذرا دیر میں ختم ہوتا تھا، فجر کی نماز کے بعد ایک ہندوستانی غیر مقلد کچھ تقریر کرتے تھے جس میں لوگ حسبِ توفیق شریک ہوتے تھے۔ حج کی مناسبت سے وہ حج کے فضائل اور مسائل بیان کرتے تھے، اسی میں عقیدے کی بحث سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اس مسجد میں جمعہ کی نماز بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا، نماز جمعہ کی امامت اور خطبہ یومیہ امام کے علاوہ دوسرے امام کے ذمہ دیکھی، جنہوں نے عربی زبان میں سلیس اور بہترین خطبہ دیا، اس مسجد میں جمعہ نہ پڑھ کر بہت سے حجاج کرام تھوڑی دور آگے جا کر ایک جامع مسجد؛ جو بہت زیادہ بڑی تھی، وہاں ادا کرتے تھے، اس مسجد کا نام جامع الراجحی تھا۔

مسجد المنیرہ کے ارد گرد بہت بڑا صحن تھا جس میں پارک بھی بنا ہوا تھا اور بچوں کے لیے جھولے اور دوسرے کھیل کود کا انتظام تھا، بچے اس میں رات کو فٹبال کھیلا کرتے تھے، یہ بچے جب عربی زبان میں بات کرتے تھے تو الفاظ کی صحت کا بہت خیال کرتے تھے اور تمام عربی حروف کی مخرج سے ادائیگی دل کو بہت بھلی اور کانوں کو بے حد اچھی لگتی تھی، آس پاس بہت ساری بلڈنگیں تھیں جن میں حجاج کرام کی رہائش تھی، واقف کاروں نے بتایا کہ ان میں مالکان کی رہائش نہیں رہتی، یہ حج کے دنوں میں کرایے پر رکھ دی جاتی ہیں، اور پھر سال بھر غیر آباد رہتی ہیں۔ جامع مسجد کے وسیع صحن میں کھجور کا باغ بھی تھا مگر اس کے لیے کوئی متعینہ ملازم دکھائی نہیں دیتا تھا، درختوں پر کھجوریں لگی ہوئی تھیں، جن میں کچی اور پکی ہر قسم کی کھجوریں نظر آتی تھیں، کچھ پک کر زمین پر گری ہوئی بھی رہتی تھیں، حجاج کرام انہیں بڑی دلچسپی اور شوق سے دیکھتے تھے، کچھ لوگ گری ہوئی کھجوروں کو چن کر کھاتے بھی تھے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں تھی، میں بھی ایک دن ایک تھیلی لے کر آیا تھا مگر سب استعمال کرنے کے قابل نہیں ہوتی ہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی کھجوریں: اکثر مساجد کے باہر وسیع صحن میں فٹ پاتھ پر لوگ ہدایا و تحائف کے ہلکے پھلکے سامان لگا کر بیچا کرتے تھے، ان سامانوں میں تسبیحات، بچوں کے نت نئے کھلونے، ٹوپیاں، جائے نماز، رومال، سرمے اور عطور، اور اسی قسم کی اشیا شامل ہوتی تھیں۔ بچے بھی کچھ سامان لگا کر اپنی دکان چمکاتے اور اسی کھلے صحن میں پھر فٹ بال بھی کھیلنے لگتے، کبھی کبھی یہاں کوئی گاڑی بھی سامان بیچنے آجاتی، ایسے لوگ پھل فروٹ، خشک میوے، کھجوریں اور چھوٹے بڑے کھلونے لایا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ اسی مسجد کے باہر کئی قسم کی کھجوریں بک رہی ہیں، جب دام معلوم کیا تو کھجور دیکھ کر قیمت مجھے مناسب لگی، کیوں کہ جس کھجور کا دام میں نے پوچھا تھا وہ ''مبروم'' کھجور تھی، اور دیکھنے اور چکھنے میں بھی لذیذ لگی، وہ بندہ پندرہ ریال میں کہہ رہا تھا، اور پاکستانی لگ رہا تھا، مگر اس نے میری درخواست پر تیرہ ریال میں دے دیا، میں نے پانچ کیلو اس نیت سے خرید لی کہ چلو یہ مکہ مکرمہ کا تحفہ ہو جائے گا۔ سب لوگ یہ کہتے تھے کہ یہاں مکہ میں سب سامان مدینہ سے مہنگا ملتا ہے، اور ہمیں حج کے بعد مدینہ جانا ہی ہے، اس لیے زیادہ تر لوگ یہاں سے ہدایا و تحائف نہیں خریدرہے تھے، اور ساری ضرورتیں مدینہ پر رکھ چھوڑے تھے، میں نے یہ کھجوریں خرید کر ان لوگوں کو چکھایا جو لوگ ہماری بلڈنگ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے چکھ کر کہا کہ یہ تو بہت اچھی ہے، روم میں لے کر آیا تو یہاں بھی پسند کی گئی، جب کہ اس سے ایک ہفتہ قبل میں نے اسی مسجد کے باہر سے دو ڈبے میں بند کھجوریں پندرہ ریال میں خریدیں، یہ ایک کیلو تھی، مگر دونوں کھجوریں دو قسم کی تھیں، ایک تو بہت نرم، تازہ اور لذیذ تھی، مگر دوسری کڑی تھی جس پر اوپر سے سفید تل سے اسے مزین کیا گیا تھا، آخر الذکر بہت اچھی نہیں تھی، جو ختم نہیں ہو سکی، مگر مبروم والی کھجور نہایت عمدہ اور ''پٹی'' کی طرح تھی۔

جب مدینہ منورہ آئے تو کھجور کے تاجرین مہنگے داموں پر بیچنے کے واسطے جیسے حاجیوں کے منتظر تھے، وہاں کھجوریں مکہ سے بھی زیادہ گراں ملیں، مگر اب تو مکہ مکرمہ چھوٹ چکا تھا، اور ہمیں یہیں سے ساری کھجوریں خریدنی تھیں، اس لیے ہاتھ مل کر رہ گئے۔ جو کھجور مکہ میں تیرہ ریال میں لے لی تھی، مدینہ میں

وہی کھجور ۳۵ ریال میں خریدنی پڑی، ہمارے بہت سے حجاج کرام نے جدہ جا کر بہت اچھی اچھی کھجوریں خریدیں، اور بتایا کہ وہاں مدینہ منورہ سے بھی بڑی بڑی کھجور کی مارکیٹیں ہیں، بہت سے حضرات نے اپنے لڑکوں سے جو ریاض میں رہتے تھے، ان سے کھجوریں منگوائیں، وہاں ہر جگہ سے زیادہ سستی اور اچھی پائی گئی۔ مگر ہم لوگ تو مدینہ منورہ کی کھجوریں اس واسطے مدینہ سے لینا چاہتے تھے کہ یہی یہاں کا اصل تبرک اور بہترین نشانی ہے، بالخصوص اس وقت جب انہیں اسی سرزمین سے لیا گیا ہو، مگر لاک ڈاؤن کے وہ دو سال مدینہ میں موجود پاکستانی تاجر کھجوریں نہیں بیچ سکے تھے، وہ ان کھجوروں کو اب بہت زیادہ مہنگے داموں پر بیچنے کے لیے اتاؤلے ہو رہے تھے۔ وہ عمدہ عمدہ کھجوریں جو پہلے دس پندرہ ریال میں بکا کرتی تھیں، اس سال وہ چالیس ریال میں فروخت کی جا رہی تھیں، حالاں کہ دکانوں اور کھجوروں کی کمی نہیں تھی، لگتا تھا کہ حج کے دوران سارے دکاندار اپنی اپنی دکانیں کھجوروں سے چمکائے ہوئے ہیں، مسجد نبوی سے روم واپسی پر ہمیں تقریبا دو کیلومیٹر پیدل چلنا پڑتا تھا، اس لیے راستے کے عبور کے دوران ہمیں کتنے کتنے دکان دار حضرات سے معذرت کرنی پڑتی تھی اور کتنا کتنا بہانہ کرنا پڑتا تھا، وہ ہم ہی جانتے ہیں، وہ دکاندار دلی کے چاندنی چوک کے دکانداروں کی طرح اپنے ایجنٹوں کو حجاج کے راستے میں چھوڑ دیا کرتے تھے تاکہ وہ گاہکوں کو رغبت دلا کر لے آئیں اور کھجوروں کی خوبیاں بتائیں، وہ لوگ بڑی لجاجت سے ''اے چاچا! اے بھیا، اے انڈیا والو! اے یوپی والو!'' جملے کہہ کر ہمیں کھجوریں دیکھنے اور چکھنے کے لیے بلاتے تھے، کہ حاجیو! بس دیکھ تو لو، اور ہم لوگ کہتے کہ بھیا، شکریہ، ابھی ہم لوگ کمرے جا ئیں گے، پھر واپسی میں دیکھیں گے، لیکن بعد میں ہمیں انہی لوگوں سے مہنگی کھجوریں لینی پڑیں، مہنگی کھجوروں کے متعلق بہت سے لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ابھی جولائی کا مہینہ چل رہا ہے، گرمی شباب پر ہے، اسی مہینے میں کھجوریں پکتی اور درختوں سے اتاری جاتی ہیں، جس میں ابھی دو تین ہفتے لگ جائیں گے، جب نئی کھجوریں آجائیں گی تب شاید یہ سستی ہو جائیں۔

اونچی دکان پھیکے سیاح: مدینہ منورہ میں پورہ معروف محلہ بانسہ کا ایک لڑکا محمد تبارک ولد امانت علی نام کا مسجد نبوی میں دیواریں اور محراب پینٹ کرنے پر مامور تھا، وہ وہاں کی متعین وردی میں ملبوس رہتا تھا، اور شاید ۸ بجے سے ۲ بجے تک دن میں اس کی ڈیوٹی رہا کرتی تھی، اس سے جب ملاقات ہوئی، تو اس نے کھجوریں لینے کے سلسلے میں ہم لوگوں سے معلومات کی، ہم لوگوں نے بتایا کہ ہاں کھجوریں لینی ہیں، تو وہ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت ہمیں مسجد غمامہ کی طرف سے آگے ایک پاکستانی دکان پر لے گیا اور اچھی اچھی کھجوریں مناسب دام میں دلائیں۔ جہاں عجوہ کھجور چالیس ریال میں، مبروم ۳۵ میں، اور بھی کھجوریں جن کا نام معلوم نہیں، اس نے قیمتیں کم کر کر کے ہمیں دلائی۔ ایک دن ''ساعة مکة'' یعنی مکہ ٹاور کی جانب ہمارے دوست محترم حاجی عبدالودود انصاری صاحب بنگال (مشہور و معروف سائنس نگار مصنف) کی ہدایت پر ان کے ایک ہم وطن محمد عارف سے ملنے کے لیے'' فندق جبل عمر'' کی جانب عصر کی نماز کے بعد نکلے، اس دن ہمیں حرم شریف کی نئی عمارت کی جانب بھیج دیا گیا، جہاں طواف کرنے کی نوبت نہیں آئی، اس لیے کچھ دیر حرم شریف کے باہر گیٹ نمبر ۷۹ کی جانب ''جبل عمر کونارڈ ہوٹل'' میں چلے گئے، یہ ٹاور بھی مکہ ٹاور کی طرح فلک بوس ہے، لمبی چوڑی بلڈنگ میں داخل ہونے کے کئی بڑے بڑے دروازے ہیں، میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ اس کے صدر دروازے سے داخل ہوا، خوبصورت شاندار دکانوں سے سجی وہ بلڈنگ نہایت حسین و جمیل لگ رہی تھی، جن صاحب سے ملنا تھا، وہ اس لیے نہیں مل سکے کہ ان کی ڈیوٹی کا وقت ختم ہو چکا تھا اور وہ باہر اپنے روم پر چلے گئے تھے، مگر وہاں ہم لوگ کچھ دیر ادھر ادھر مٹر گشتی کرتے رہے، کیوں کہ ہم لوگ کسی سامان کی خریداری کی پوزیشن میں نہیں تھے، بقول اکبر الہ آبادی:

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

ارادہ تھا کہ جو کچھ بھی بچوں کے لیے خریدنا ہے، وہ مدینہ منورہ جا کر آرام سے کفایت میں لے لیں گے۔ اس سپر مارکیٹ میں سونے چاندی، ہیرے جواہرات، پرفیوم اور عطوریات وغیرہ کی محفلیں آراستہ و پیراستہ تھیں، تمام موجودہ سامانِ عیش و عشرت نہایت اعلیٰ قسم کے دعوت نظارہ دے رہے تھے، ہم انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں سینک رہے تھے، اور قدم بھی بڑھاتے جاتے تھے، ہماری ہیئت کذائی دیکھ کر دکاندار سمجھ جاتے ہیں کہ ان میں کون

خریدار ہے؟ اور کون سیاح ہے؟ اس شعر کے بمصداق :

یوں تو سیرِ گلشن کو کتنے لوگ آتے ہیں
کون پھول توڑے گا؟ ڈالیاں سمجھتی ہیں

اسی طرح جب ہم لوگ ان دکانوں کے سامنے سے گزرتے تھے، تو وہ ہماری جانب کوئی توجہ نہیں دیتے تھے، جب کہ اہل ثروت یا کسی خوش حال گھرانے والوں کو دیکھتے تو بڑھ کر انہیں دعوت نظارہ دینے لگتے، اسی دوران وہاں گھومتے گھومتے ایک کھجور والے کاؤنٹر پر گئے، بڑی اچھی اچھی کھجوریں ڈبے میں قرینے سے سجائی ہوئی تھیں، مگر ان کا دام بھی بہت زیادہ لگ رہا تھا، کالی کالی ایک کھجور جو عجوہ کی طرح تھی، مگر اس سے بڑی بڑی تھی، اس کی قیمت معلوم کی، بتایا گیا کہ یہ نوے ریال کی ہے، اور اس میں تین کیلو کھجور موجود ہے، وہ ڈبہ بالکل اسی طرح کا تھا جیسا پانی اور چائے کی شیٹ کا ہوتا ہے، اسے لینے کا ارادہ ہوا، مگر بتایا گیا کہ مدینے میں اس سے زیادہ رعایت پر مل جائے گی، اس طرح مدینہ کی محبت یا قیمت میں گرانی کے باعث وہ خریداری ترک کرنی پڑی، جب کہ وہ ریٹ میں مدینہ میں ملنے والی کھجوروں کے بھاؤ میں تھی۔

عربی زبان: عین اس وقت جب اسی مارکیٹ میں ہم لوگ جائے نمازیں دیکھ رہے تھے، کئی لڑکے جو مئو اور اعظم گڑھ کے تھے، اور اسی فندق میں ملازم تھے، وہ اپنے سے ملتی جلتی صورت شکل دیکھ کر قریب آ گئے، انہوں نے ہمارے بارے میں اور ہم نے ان کے بارے میں پوچھا، تب انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ بھی مئو کے ہیں، دوسرے نے بتایا کہ ہم جہانا گنج کے ہیں، میں نے کہا کہ یہاں سامان تو سبھی اعلیٰ قسم کے ہیں مگر ان کی قیمتیں بھی ہوش ربا ہیں، انہوں نے اثبات میں نہ صرف یہ کہ گردن ہلائی، بلکہ زبان سے بھی کہا کہ یہاں خریداری ہمارے یہاں کے حجاج کرام کے لیے مشکل ہے، ہم لوگ ان لوگوں سے باتیں ہی کر رہے تھے کہ اس ہوٹل کا کوئی ذمہ دار جو عربی تھا، اس نے بڑھ کر سلام ومصافحہ کیا، اس کو ان ہی لڑکوں نے میری طرف بھیجا تھا، کیوں کہ ان بچوں نے ایک کاؤنٹر پر مجھے کسی سے عربی میں گفتگو کرتے دیکھا تھا، جب میں نے اس سے سلام کے بعد عربی میں بات چیت کی اور اپنی سعادت حج اور اہل مکہ کی خوش نصیبیوں کا ذکر کیا تو وہ دل سے الحمد للہ پڑھنے لگا اور مجھ سے وہی سوال کہ آپ نے عربی کہاں سے سیکھی ہے؟ اہل عرب حضرات اہل عجم کی عربی دانی پر حد درجہ مسرور ہوتے ہیں اور اپنی زبان کی افضلیت پر ناز کرتے ہیں، یہ حقیقت بھی ہے کہ عربی زبان بہت وسیع اور مقبول زبان ہے، البتہ جس طرح ہم لوگ ہندوستان میں اردو زبان کو توڑ مروڑ کر بولتے ہیں اور ہر علاقے والوں کے بولنے کا انداز اور لہجہ جدا جدا ہوتا ہے، یا پھر اردو کو بہت سے مشرقی علاقوں کے لوگ جس طرح بگاڑ کر بولتے ہیں کہ اسے خود مغربی یوپی کے لوگ نہیں سمجھ پاتے ہیں، اسی طرح اہل عرب کے علاقوں کی زبانیں بھی ایک دوسرے کچھ الگ الگ ہوا کرتی ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اہل عرب عموماً اپنی مجلسوں میں مادری زبان بولتے ہیں جس کا فصاحت و بلاغت یا کتابی زبان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، تیسری بات یہ بھی ہے کہ ان کی زبان میں اتنی روانی اور تیز رفتاری ہوا کرتی ہے کہ اس بگڑی ہوئی زبان کو ہم لوگ بالکل نہیں سمجھ پاتے جنہوں نے سعودی عرب میں رہ کر نہیں، بلکہ کتابوں اور اساتذہ کے ذریعے عربی سیکھی ہوئی ہے۔ البتہ اہل عرب جب خطبہ دیتے ہیں یا تقریر کرتے اور درس دیتے ہیں تو ان کی زبان اس لیے پوری کی پوری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ وہ خالص عربی زبان ہوا کرتی ہے جو کتابوں میں موجود ہوتی ہے اور نحو وصرف کے عربی قواعد کے اعتبار سے درست ہوا کرتی ہے۔ ان کی مادری زبان کی معلومات ان کے ساتھ کچھ ایام رہے بغیر مشکل سے سمجھ میں آئے گی۔

حج کے بعد ایک روز ہم لوگ بس کے ذریعے حرم شریف جا رہے تھے، ایک صاحب جو اہل عرب میں سے تھے، انہوں نے بس میں بھیڑ ہونے کے باعث مجھے اور میری اہلیہ کو اپنی طرف بلا کر بیٹھنے کی جگہ دی، وہ نوجوان تھے، ساتھ میں ان کی اہلیہ اور ایک بچی بھی تھی، وہ کوئی پانچ چھ سال کی رہی ہوگی، جب وہ بات کرتی تو اس کے بولنے کا انداز اتنا پیارا لگتا کہ بس اس کے منہ سے روانی کے ساتھ نکلتی ہوئی بات کو سنتے جائیے اور عربی زبان کی سلاست اور شیرینی کا حظ اٹھاتے جائیے، میں نے علیک سلیک کے بعد پوچھا کہ کیا آپ مکہ مکرمہ کے فرزندوں میں سے ہیں؟ اس نے مسکراتے ہوئے خوشی سے جواب دیا کہ الحمد للہ علی ذالک۔ پھر انہوں نے اہل ہند کے متعلق کئی سوال کیا، جب میں نے ان سے کہا اہل مکہ کتنے خوش قسمت اور سعید ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کوحرم پاک کا پڑوسی بنایا ہے، وہ لوگ جب چاہیں مسجد حرم میں خانہ کعبہ کے عین سامنے آکر نماز ادا کر سکتے ہیں، جب ارادہ ہوا، اپنی فیملی کے ساتھ عمرہ کر سکتے ہیں، اور جب تمنا ہوئی وہ حرم شریف آکر نماز ادا کر کے ایک نماز پر ایک لاکھ نماز کا اجر پا سکتے ہیں، وہ بیچارے اتنا خوش ہوئے کہ کہا نہیں جاسکتا، بار بار الحمد للہ الحمد للہ پڑھتے رہے، اہل عرب کی یہ خاصیت ہے یا عربی زبان کا خاصہ ہے کہ وہ جب مادری زبان میں بات چیت کرتے ہیں یا فصیح وبلیغ زبان میں گفتگو کرتے ہیں، تو بلا جھجک بات بات میں ''سبحان اللہ، الحمد للہ، استغفر اللہ، درود شریف، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر وغیرہ کلمات کہتے رہتے ہیں، بلکہ میں نے ایک غیر مسلم کو جو سعودی عربیہ میں رہتا تھا، اسے بھی ان کلمات کو اپنی باتوں میں ادا کرتے سنا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پھر اس اعلیٰ زبان کا خاصہ ہوسکتا ہے۔

ایک بقالہ میں سارے سامان موجود: عزیزیہ میں ہماری بلڈنگ کے نیچے ضروریات زندگی کے سارے سامان دستیاب تھے، بقالہ کی ان دوکانوں پر بہت ساری اشیا مل جاتی تھیں، پڑوس میں پاکستانی ہوٹل اور بغل میں سبزی اور پھلوں کی بھی دکانیں تھیں، چائے میں ڈالنے کے لیے بہترین دودھ ایک کیلو 6 ریال میں مل جاتا تھا، جو کئی دن کام آتا تھا، ایک دن سبزی کی دکان سے میں ہری مرچ لے آیا جو بھنڈی کے برابر تھا، اور بھنڈی سے متاثر ہونے کے باعث اس میں تیزی نہیں تھی، سبزی کی دکانوں میں تازہ سبزیاں ہر قسم کی مل جاتی تھیں، اسی طرح خوشنما اور لذیذ پھل بھی بکثرت ملتے تھے مگر آم بہت کم نظر آئے۔ پھل فروٹ یا سبزی ہمارے یہاں کی طرح فٹ پاتھوں پر نہیں بیچی جاسکتی، پھلوں کے ٹھیلے اور ان پر سجے تہ بتہ کیلے اور آم دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئیں، جو گاہکوں کو طرح طرح کی آواز بنا کر بلاتے رہتے ہیں، مگر یہ آرزو لکھنؤ اترتے ہی پوری ہوگئی۔ کیلے اتنے بڑے بڑے اور لذیذ کہ بس دیکھتے جائیے اور کھاتے جائیے، ایک کیلے کو ختم کرنے کے لیے اگرچہ بڑا وقت لگتا تھا، مگر لذت کی وجہ سے اتنا وقت لگایا جاتا تھا، تب اس کا حق ادا ہو پاتا تھا، ایک درجن کیلا بیک وقت لوگ نہیں خریدتے تھے کیوں کہ قیمت کی ادائیگی کے ساتھ وزن اٹھانے کے لیے بھی سوچنا پڑتا تھا، اس لیے جو ملاقاتی ملنے آتے اور ساتھ میں کیلے لاتے تھے وہ بھی تین کی گنتی سے اوپر نہیں جا پاتے تھے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم لوگ کھانے پکانے کی اتنی چیزیں ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہاں سے اس قسم کی اشیا خریدنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی کیونکہ وہاں مہنگائی ہمارے یہاں کے حساب سے بہت زیادہ تھی، لیکن دودھ، دہی، مرچ، انڈے وغیرہ لینے کی ضرورت درپیش ہوتی تھی۔ جو کھانا بنتا تھا وہ بہت لذیذ لگتا تھا، ساتھ ہی بھوک بھی خوب لگتی تھی، کیوں کہ حرم شریف جانے آنے میں جہاں وقت صرف ہوتا تھا وہیں طواف کرنے اور عبادتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے خوب بھوک لگتی تھی اور روم پر آکر پھر مزے سے کھایا جاتا تھا۔ کھانے میں عموماً دال، انڈا، دہی، اور گھی اچار وغیرہ سے کام چلایا جاتا تھا، مرغیاں بھی خرید لی جاتی تھیں، جو کئی دن تک کام آتی تھیں، عورتیں کبھی چائے روٹی کا ناشتہ کرا دیتیں، اور کبھی گھاٹی بنا کر کھلا دیتیں، کبھی ہوٹل سے کوئی بریانی لاکر کھلا دیتا، جس دن ہم لوگ عزیزیہ بلڈنگ میں پہنچے اس دن ہوٹل والے یا معلم کی طرف سے سب کو بریانی، جوس وغیرہ کی پیکٹ ہر کمرے میں گفٹ کے طور پر پہنچادی گئی تھی، اس ضیافت پر دل کو بہت خوشی حاصل ہوئی، یہ بریانی اتنی زیادہ تھی کہ کئی وقت کام آئی، اس کے بعد کھانے بنانے کے سامان کی پیکٹ کھولی گئی۔

ایک حجن کی گمشدگی: ہمارے فلور پر مئو، کاری ساتھ، بجنور، مرادآباد، بنارس اور غازی پور کے حجاج کرام کا قیام تھا، ان میں سے اکثر حضرات اپنی اپنی اہلیہ کے ساتھ آئے تھے، جب کہ دو تین حضرات تنہا اور آزاد تھے، ان میں سے کچھ افراد ہوٹل میں کھانا کھاتے تھے، جب کہ کچھ کی سیٹنگ اپنے کمرے کے لوگوں کے ساتھ ہوگئی اور وہ انہی کے ساتھ کھانے لگے تھے اور حرم بھی ساتھ ہی آتے جاتے تھے۔

مکہ مکرمہ پہنچنے کے دوسرے ہی دن اپنی منزل کے حاجی انصار اللہ، مئو کی اہلیہ محترمہ حرم مکی میں گم ہوگئیں، بہت دیر تک انہوں نے تلاش کیا، موبائل بھی ساتھ نہیں تھا، نہ ہی ان کو نمبر معلوم تھا، آخر میں تھک ہار کر حاجی صاحب تو بلڈنگ آگئے، انہوں نے آکر صورتحال سے ہم لوگوں کو آگاہ کیا، ہم لوگ ظہر کے بعد انہیں ساتھ لے کر حرم شریف پہنچے، مگر کہیں ان کی اہلیہ کا سراغ نہیں ملا، بہر حال جب نفلی طواف مکمل ہوگیا تب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

بوجہل حمام کے اوپر ایک آفس میں پہنچے، ایک بنگالی جاروب کش نے وہیں جا کر گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے کی راہ دکھائی تھی۔ وہاں آفس میں حرم شریف کے سامنے ایک لڑکی آفیسر کی شکل میں موجود تھی، میں نے عربی میں اس سے بات کی، اس نے نام اور وقت نیز ساری تفصیلات معلوم کر کے ہمارا فون نمبر لے لیا، حاجی صاحب ویسے اپنی اہلیہ کی گمشدگی پر بہت زیادہ فکر منداس لیے نہیں تھے کہ وہ کہتے تھے کہ ان کی اہلیہ مجھ سے بہت عقلمند ہیں، وہ جلد ہی آجائیں گی۔ لیکن چوں کہ پہلا دن تھا اس لیے اتنی زیادہ پریشانی ہوئی، ہم لوگ جب ان کو تلاش کرنے کے بعد ناکام تھک ہار کر بلڈنگ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حجن تو بہت دیر کی آئی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے بعد میں کسی پولیس والے کو اپنا ایڈریس کارڈ دکھایا، اس پر متعلقہ حکام نے انہیں اپنی گاڑی سے منزل مقصود پر پہنچادیا۔

مکہ اور مدینہ میں گاؤں کے بچوں سے ملاقاتیں:

مکہ مکرمہ پہنچنے کے دوتین دن کے بعد جب گاؤں گھر کے بچوں کو ہم لوگوں کی آمد اور عزیزیہ محلہ کی تعیین کے ساتھ بلڈنگ نمبر وغیرہ کا علم ہوگیا تو بہت سے لڑکے ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ وہاں نئی سم خرید کر اصل مسئلہ بچوں سے رابطے کا تھا، مگر ان بچوں کو کسی طرح ہم لوگوں کے بارے میں معلومات فراہم ہوگئی تھی اس لیے ملنے آئے، جو لڑکے دوسرے محلے کے تھے، اس وقت ان کا نام ذہن میں نہیں ہے۔ البتہ جو محلہ بلوہ کے تھے ان میں محمد عرفان ابن ممتاز مرحوم کے دولڑکے محمد توفیق اور محمد عابد ہیں، یہ دونوں وہاں اپنے اپنے سیٹھ کی گاڑی چلاتے ہیں، ان کے کفیل کی ڈیوٹی ہماری بلڈنگ کے قریب کسی آفس میں رہتی ہے، ان بچوں کی رہائش عرفات کی جانب کہیں تھی، یہ لڑکے روم میں کئی دن آئے، اور جب بھی آئے، ہدایا وتحائف وغیرہ کے ساتھ آئے، کبھی کبھی یہ دونوں ساتھ آئے تو کبھی تنہا تنہا آئے، وہاں ڈرائیوروں کی ڈیوٹیاں رات ودن پر محیط ہوتی ہیں، کب کہاں جانا ہوجائے؟ کب کس چیز کی ضرورت پڑ جائے؟ کہا نہیں جاسکتا، ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ ان کے سر پر گھر کے ضروری سامان لانے کی بھی ذمہ داری رہتی ہے، اس لیے ان کی ہر وقت ضرورت پڑتی رہتی ہے، بارہا ایسا ہوا کہ یہ دونوں لڑکے ہمیں کہیں گھمانے لے گئے اور سیٹھائن نے فون کردیا کہ کہاں ہو؟ ٹماٹر اور ہری سبزیاں لائی ہیں۔ اب ان کو فون آنے پر بھاگنا پڑتا یا کہنا ہوتا کہ میں جلد ہی یہ چیزیں لادوں گا۔ ان لڑکوں کی آمد پر ان کا وقت بھی خوشی خوشی گزر جاتا اور ہمیں بھی اچھا لگتا، گھر سے کھانے پینے کے جو سامان مٹھائی اور چنے کے حلوے اور بھنے ہوئے دانوں کی شکل میں جتنی لائی وغیرہ ساتھ لے گئے تھے وہ سامان ان کی ضیافت کے لیے پیش کیے جاتے، جنہیں وہ وطن کی چیز سمجھ کر شوق سے کھاتے۔ وہ خود بھی دودھ دہی، جوس اور بریانی وغیرہ لے کر آجاتے تو ساتھ مل کر کھایا جاتا۔ ایک بار وہ ''**الرومانسیه**'' کی لذیذ بریانی لے کر آئے، جس میں خوبصورت دستر خوان بھی تھا، اس پر بھی الرومانسیہ لکھا ہوا تھا، چوں کہ دو خوراک لائے تھے، اس لیے دو عدد دستر خوان بھی تھا، جو ہم لوگوں کو اس وقت تک متواتر ساتھ دیتا رہا، جب تک ہم لوگ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔ ایک بار جب ہم لوگ انہی بھائیوں کے ساتھ کہیں گئے تھے، مجھے واپسی میں مرغی لینے کی ضرورت ہوئی، جگہ معلوم نہیں تھی، اس لیے ایک بہترین مرغی؛ جو ایک پیکٹ میں ملفوف تھی، وہ خرید کردیدی، ساتھ ہی ہری مرچیں بھی، یہ مرغی کئی دنوں تک کام دیتی رہی۔

ان بچوں سے سعودیہ کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔ وہاں قوانین پر چلنے اور ہر ایک کو اس کا پابند بنانے اور امن وسلامتی کی باتیں معلوم ہوئیں۔ وہاں کسی مطالبہ کے لیے اخبارات میں لکھنے یا احتجاج کی ضرورت نہیں ہوتی، آمد ورفت کے اصولوں کی پابندی کے لیے کسی جگہ پولیس لگانے اور ڈنڈا چلانے کی حاجت نہیں رہتی، آپ کو پولیس والے کہیں دکھائی نہیں دیں گے، سڑکوں پر گاڑیوں کی رفتار کی جانچ کے واسطے اور "**ممنوع الوقوف**، یعنی نو پارکنگ، یاقف، یعنی رکیے" کی خلاف ورزی کی صورت میں گاڑیوں کا چالان خود کٹ جاتا ہے، اور جس نام سے گاڑی کا رجسٹریشن ہوا ہے اس مالک کے کھاتے سے پیسے فوراً وضع ہوجاتا ہے،" مخالفت" پر اتنا زیادہ جرمانہ عائد کردیا جاتا ہے کہ کوئی مخالفت کی ہمت نہیں کرسکتا، مار پیٹ، چوری ڈکیتی اور قتل وغارتگری وخون ریزی کے واقعات بہت کم پیش آتے ہیں، اس لیے چہار جانب امن وامان کی فضا قائم رہتی ہے۔

انہی بچوں سے علم ہوا کہ سعودی عرب میں بھی لاک ڈاؤن کے بعد سے معاشی ترقی میں تنزلی دیکھی جارہی ہے، اب ملازمتوں میں سعودی عرب

کے باشندوں اور امیدواروں کو رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، خواتین کو ہر محکمہ میں ابھارا جا رہا ہے، حتیٰ کہ حرمین شریفین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ معاشی تگ ودو میں خواتین کی شمولیت کی وجہ سے فیملی نظام میں خلل واقع ہونے لگتا ہے، بچوں کی تعلیم وتربیت اوران کی قدم قدم پر نگرانی کے میں تساہل وغفلت کا ہونا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ چند سال قبل معاشی استحکام کی وجہ سے حجاج کرام پر جتنی وسعت اوراکرام کا غلغلہ تھا اب اس میں نمایاں کمی محسوس کی جا رہی ہے، کتنے سعودی باشندے کرائے کے مکان میں رہنے لگے ہیں اور کتنے مقروض بھی ہو چکے ہیں۔ بہرحال معاش کے اعتبار سے ترقی وتنزلی ہر ملک اور ہر فرد سے وابستہ ہے، لیکن مہنگائی میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ پھر بھی مجموعی اعتبار سے وہاں فراخی اور وسعت وخوشحالی کی سطح قابلِ اطمینان اورامن وسلامتی کی عمومی فضا لائق تعریف ہے۔

مقامات مقدسہ کی زیارت: محمد عابد اور محمد توفیق دونوں بھائیوں نے مکہ مکرمہ میں بہت خدمت کی اوراپنی گاڑی سے مکہ مکرمہ کے بہت سے علاقوں میں گھمانے لے گئے، محمد عابد سے ایک دن میں نے کہا کہ منیٰ میں قیام کے دوران میں مسجد خیف میں نہیں جا سکا، نیز ابھی جنت المعلیٰ کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی، کیوں کہ جس دن بس کے ذریعے ہم لوگوں نے کئی مقامات مقدسہ کی زیارت کی تھی اس میں جنت المعلیٰ بھی شامل تھی، مگر وہاں بس سے اترنے نہیں دیا گیا تھا، اس لیے وہاں جانے کی خواہش ہے، محمد عابد نے بتایا کہ حج سے قبل تو ہم لوگ بھی ان مقامات پر گاڑی نہیں لے جا سکتے، کیوں کہ پابندی عائد رہتی ہے، البتہ حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد جب راستے کھل جائیں گے، تب ان شاء اللہ آپ لوگوں کو ہر جگہ لے جائیں گے اور زیارت کرا دیں گے۔

خیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمد عابد نے ویسا ہی کیا، ہمارے ساتھ اوپر کی منزل میں حاجی محمد شمشاد صاحب تھے، ان کی اہلیہ محترمہ کے دادا حاجی محمد ڈاکٹر صاحب تھے، جن کا تیسرے حج میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہو گیا تھا، ان کی وفات پر میں نے ایک مضمون پیغام میں لکھا تھا، ان کی پوتی کی تمنا تھی کہ ہم لوگ ان کی قبر پر پہنچ کر فاتحہ خوانی کر لیں، کیوں کہ عورتوں کو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس لیے ایک دن محمد عابد ہم چاروں کو بہت دور "ادارۃ اکرام الموتی" لے کر گیا، یہ بہت بڑا قبرستان ہے جس میں مکہ مکرمہ اور دیگر ممالک کے حجاج کو دفن کیا جاتا ہے، یہ امانت العاصمۃ المقدسۃ کے تحت ادارہ ہے، اور "وزارۃ الشئون البلدیہ والقرویۃ والاسکان" اس کی نگرانی کرتا ہے، حرم شریف میں جتنا جنازہ ادا کیا جاتا ہے، ان میں سے اکثر حضرات کی تدفین یہیں عمل میں آتی ہے، انہیں گاڑیوں سے یہاں لایا جاتا ہے، یہ بہت بڑا قبرستان ہے اور تاحد نظر قبریں ہی قبریں نظر آتی ہیں۔ بہت سے ملازمین اس کی صفائی میں مصروف رہتے ہیں، ہم لوگ یہاں پہنچے، اندر داخل ہوئے، مگر قبر کا نمبر وغیرہ معلوم نہ ہونے کے باعث وہاں عمومی فاتحہ خوانی کی گئی اور ڈاکٹر محمد صاحب مرحوم کو خصوصی طور پر ایصال ثواب کر دیا گیا۔ اس دوران، دونوں حجن اندر ہی کرسی پر بیٹھی رہیں۔

مارکیٹ کی سیر: محمد عابد نے راستے میں پیاس بجھانے کے لئے جوس وغیرہ لے لیا تھا، واپسی میں یہ ہمیں کئی مارکیٹ لے گیا، جس میں بن داؤد مول، مائی مارٹ، **کل شیٔ خمس ریال** وغیرہ، ان بڑے بڑے مول میں سارے سامان اعلیٰ سے اعلیٰ اور معیاری تھے، عورتیں ہر ایک سامان دیکھ کر اسے خریدنے کی متمنی ہوتیں، مگر جب ریٹ پوچھا جاتا اور اس کا ترجمہ ہندوستانی روپے میں بتایا جاتا تو وہ وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاتیں، اس طرح جس حالت میں داخل ہوئے تھے، اسی حالت میں واپس ہو جاتے۔ بہت سی جگہوں پر گھومتے پھرتے جب کھانے کا تقاضا ہوا، لیکن ہم لوگ ضرورت کو محض اس وجہ سے دبائے رہے کہ ابھی یہ لڑکا اپنا خرچ کرنے لگے گا، پھر بھی محمد عابد منع کرنے کے باوجود ایک ہوٹل میں لے گیا جو عربی مطعم تھا، اس کا نام "باشا حاشی" تھا، جس میں مرغیاں اور اونٹ کے بچے کا گوشت ملتا تھا۔ ہم لوگوں نے محمد عابد سے کہا کہ ہمارے روم پر کھانا موجود ہے، وہیں چلو سب ساتھ کھا لیں گے، مگر اس نے ہوٹل کے پاس گاڑی روک دی اور کھانے کا آرڈر دے دیا، لڑکے سے کہا گیا کہ اونٹ کے گوشت کی چیز نہ لینا، تب اس نے چکن بریانی کے لانے کا حکم دیا، وہاں کرسیوں پر نشست کے علاوہ فرشی انتظام بھی تھا، ایک طرف آرام دہ سرخ قالین بچھی ہوئی تھی، ایک عربی شخص اس پر تنہا بریانی کا مزا لے رہا تھا، ہم لوگوں کے واپس آنے تک ابھی وہ فارغ نہیں ہوا تھا، مجھے احساس ہوا کہ بریانی پر لگے پیسے کی وصولیابی کے چکر میں وہ ایک

دانہ بھی بلدیہ کے ڈبے کے حوالے کرنے سے اسے کوئی خدا واسطے کا بیر ہے۔ نہ جانے کیوں جب پلاسٹک کے دسترخوان پر بریانی انڈیلی گئی، تو بھوک کے باوجود بہت کم کھائی گئی، محمد عابد نے بھی لگتا ہے کہ کئی خوراک آرڈر کر دیا تھا، بالآخر ایک چوتھائی بھی نہیں کھا سکے اور سب بچی رہ گئی، میری اہلیہ نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا ہوگا، شاید چکھا بھی نہیں۔ عابد سے کہا گیا کہ تم اسے پیک کر کے ساتھ رکھ لو، وہ ہم لوگوں کو دینے کے لیے مصر تھا، کہا گیا کہ جب یہاں تازہ ہم لوگ اسے نہیں کھا سکے تو باسی ہونے کے بعد کیا کھا سکیں گے؟ مگر اس نے نہیں لیا، تب فریدہ سے کہا گیا کہ تم اس میں سے کچھ رکھ لو، کام آئے گی۔ یوں اس کا ایک چوتھائی حصہ کم ہوا۔ کوشش کی گئی کہ اس کا پیسہ ہم لوگ ادا کر دیں، مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوا، کریڈٹ کارڈ کے ذریعے اس نے پیمنٹ کے بعد پھر گاڑی پر بٹھایا، اور پہاڑوں کے درمیان بنی ہوئی پر پیچ سڑکوں سے گاڑی کو گھماتا ہوا ایک مسجد کے پاس روکا، جہاں ضروریات سے فراغت حاصل کی گئی اور نماز ادا کی گئی، وہاں کھجور بھی ضیافت کے لیے رکھی ہوئی تھی، اس میں سے چند دانے کھائے گئے اور دعا دے کر رخصت ہوئے۔ ''خمسۃ ریال مارکیٹ'' سے پھر کچھ سامان لئے گئے جیسے خوبصورت دسترخوان، بچوں کے لیے سونے کی طرح چمکتے دلکش برتن، بن داؤد مارکیٹ سے کچھ خشک میوے، جیسے بھنے ہوئے کاجو، بادام، صاف ستھری انجیر وغیرہ۔ کاؤنٹر پر پیسوں کی وصولی اور کمپیوٹر سے بل نکالنے کے لیے خواتین موجود تھیں، ہمیں سب سے اچھی مارکیٹ بن داؤد مارکیٹ لگی، جو وسیع وعریض دائرے میں پھیلی ہوئی ہے اور ہر قسم کے معیاری سامان جہاں قرینے سے سجائے گئے ہیں، مختلف قسم کے گوشت شیشے کے گھر میں اتنی خوبصورتی کے ساتھ رکھے گئے تھے کہ بس لیتے جائیے اور جیب ہلکی کرتے جائیے۔ ایک طرف سبزیوں کی مارکیٹ تھی جس میں دنیا جہان کی تازہ تازہ سبزیاں دیکھی گئیں، اگر پیاز خریدنی ہے تو اس کی اتنی قسمیں ہیں کہ دیکھتے اور سوچتے جائیے کہ یہ کس ملک کی پیداوار ہے؟ لہسن کی اتنی بڑی بڑی پیں کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے۔ الغرض تمام چیزیں اعلیٰ نمونہ پیش کرنے والی ہوتیں، ایک جانب پہنچے تو وہاں زیتون کے سلاد رکھے ہوئے تھے، قسم قسم کے رنگوں کے زیتون۔ ساتھ ہی بغل میں سلاد کی وہ قسمیں جو پیسٹ کی شکل میں موجود تھیں، جن میں اعلیٰ قسم کی مغزیات بھی استعمال کی جاتی ہیں، محمد عابد نے بتایا کہ ہمارے کفیل ان سلادوں اور زیتونوں کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ فواکہ، میوے اور مغزیات کا رُخ کریں تو تمام اشیا کی اتنی اعلیٰ قسمیں یکجا دیکھ کر تعجب سے ہونٹ کاٹنے لگیں کہ سعودی عرب کے خشک علاقوں میں یہ چیزیں دنیا کے کس کس کونے اور گوشے سے لائی جاتی ہیں؟ اس وقت صدیوں پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنی آل اولاد کے حق میں کی گئی یاد آنے لگتی ہے جن دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرما کر اسے یادگار بنا دیا۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے اللہ! انہیں مختلف قسم کے پھلوں سے ان کی مدد فرما، تاکہ ان میں شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ صدیوں پہلے کی گئی اللہ کے اس برگزیدہ بندے کی دعا کا پھل دنیا آج تک کھا رہی ہے، کیوں کہ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج وعمرہ کے لیے پہنچتے ہیں اور وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان خشک میووں میں کشمش بھی دعوت نظارہ دے رہی تھی جو اتنی بڑی بڑی اور صاف وشفاف تھی کہ اسے دیکھ کر بس اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کے یقین میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ ان مارکیٹوں میں کس کس سامان کی تعریف کی جائے اور کس کس کا ذکر کیا جائے؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ عالم کی ساری نعمتیں اور پیداوار وہاں موجود اور وافر مقدار میں نظر آئیں گی۔

دنیا جہان کی نعمتیں: بن داؤد مول میں گوشت والے کاؤنٹر کی سمت بکروں کے پائے؛ جو بلند پایے کے تھے، منتظر خریدار دیکھے گئے، میری اہلیہ محترمہ نے عابد سے کہا کہ اتنے سارے پائے یہاں پائے جاتے ہیں، جب کہ ہمارے یہاں اتنے سارے کہاں پائے جاتے ہیں؟ اس نے پوچھا کہ آپ کو یہ پایے اتنے پسند ہیں؟ اہلیہ نے کہا کہ ہاں اچھے تو لگتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میرے یہاں بہت سارے موجود ہیں، میں انہیں کسی دن لاؤں گا، اہلیہ نے کہا مگر پیسے لینے پڑیں گے، اس نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دن کئی بکرے کے پایے وہ لڑکا لے کر آیا، مگر اس کی کھال اتار لی گئی تھی، پھر بھی بقرعید کے بعد جب اکٹھا کئی عدد ملے تو اس کو کھانے کے وقت بقرعید کی یاد آ گئی اور محمد عابد کے لیے دل سے دعا نکلی کہ پردیس میں اس لڑکے نے جتنی خدمت کی ہے اور دل خوش کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اس کی خدمت قبول فرمائے اور اس کو خوشحالی وترقی عطا فرمائے آمین۔ ایک دن جب محمد عابد ہماری بلڈنگ میں پہنچا، اس وقت میں بقالہ سے انڈا لا رہا تھا، اس نے کہا کہ میرے کفیل کے یہاں بہت سی مرغیاں اور بطخ ہیں، جو انڈے دینے پر مامور ہیں، بہت

سے انڈے پڑے ہوئے ہیں، کسی دن وہ دیسی انڈے آپ کو بدیس میں کھلاؤں گا، پھر ایک دن وہ بہت سے انڈے لے کر پہنچ آیا، اس نے کہا کہ ہم لوگوں کو جلدی جلدی آتے اچھا نہیں لگتا، اس لیے کبھی کبھی کئی دن کے بعد آتے ہیں، ایک دن یہ لوگ" مکہ مول" لے کر گئے، یہ مارکیٹ کیا ہے، پورا ایک بڑا محلہ ہے، جو کئی منزلہ ہے، عزیزیہ کے حصے میں واقع ہے، اس میں بہت دیر تک گھماتے رہے، راستے میں مشروبات کے طور پر انہوں نے وہاں کا وہ مشروب لیا جو لذیذ ہونے کے ساتھ ساتھ مقوی بھی تھا، اسے میری اہلیہ کے لیے بھی خرید لیا جو اس وقت روم میں تھی۔ بعد میں جب اہلیہ کچھ بیمار ہوئی تو طاقت پہنچانے کے لیے وہی جوس کئی عدد میں نے لے لئے تا کہ حرم شریف جانے اور طواف کے قابل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے بہت جلد طاقت پہنچی۔ دوسرے دن جب مکہ مول میں اہلیہ کے ساتھ پہنچے، اس وقت اندر دیر تک سیاحت کرتے رہے، عابد اور توفیق نے بتایا کہ آپ کے داماد عبدالرحمن کی سیٹھائن اسی مکہ مول میں ایک پرس کی دکان میں سپلائر ہے، چنانچہ اس طرف جب ہم لوگ پہنچے تو وہ اپنے متعینہ کاؤنٹر پر ڈیوٹی میں مصروف ملی۔

ایک دن ماسٹر مجیب الرحمٰن صاحب کے چھوٹے بھائی جناب شفیق الرحمن صاحب بھی ملنے آئے، یہ بھی مکہ میں رہتے ہیں اور اپنے کفیل کی گاڑی چلاتے ہیں، حج وعمرہ کے لیے نکلنے سے قبل ہی انہوں نے کئی دن فون کیا تھا، ان کے کچھ دوست بنگلہ دیش کے ہیں، انہیں ہمارے یہاں تیار کی جانے والی ساڑی کی ضرورت تھی، میں انہیں ساتھ لے گیا تھا، وہاں پہنچنے کے تین چار دن کے بعد ملنے اور اپنی امانت لینے کے لیے آئے، ساتھ میں پھل فروٹ اور جوس بھی لائے، جبے قبے میں ملبوس تھے، داڑھی بھی بڑھا لی ہے، اس لیے پہچانے نہیں جاتے تھے، انہوں نے اپنے موبائل سے گھر اور ماسٹر مجیب الرحمٰن صاحب سے بات کرائی، پھر کچھ دیر کے بعد ساڑیاں لے گئے۔ پھر کسی دن ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ حج کی قربانی کے متعلق بھی مجھ سے پوچھ رہے تھے، لیکن وہ مسئلہ حل ہو چکا تھا۔

قربانی کا پیسہ: مکہ مکرمہ میں ام القریٰ سے تعلیم حاصل کر چکے مولانا فیروز احمد صاحب ایک دن ملاقات کرنے اور قربانی سے متعلق دریافت کرنے کمرے میں آئے، مولانا چاند پورہ مئو کے رہنے والے ہیں، اسی محلہ کے میرے روم پاٹنر بھی تھے، انہوں نے قربانی کرانے کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک قربانی کا پانچ سو پچاس ریال لیتے ہیں، بتایا کہ ہم لوگوں کی ایک تنظیم ہے اسی کی معرفت حجاج کرام کی قربانی کرائی جاتی ہے، میں نے بھی ان کے یہاں دو قربانی کا پیسہ جمع کر دیا، بلکہ اس بلڈنگ کے بہت سے حضرات نے اس کام کے لیے ان کی خدمات حاصل کیں۔

حج کے بعد جب ہم لوگ کمرے آ گئے اور قربانی کے کچھ گوشت کی یاد آئی تو ان سے رابطہ کیا گیا جس کے بعد انہوں نے کچھ گوشت پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ پہلے بہت آسانی تھی، مگر اب قربانی کے گوشت کا بہت سا حصہ افریقی ممالک میں بھیج دیا جاتا ہے، اس لیے حجاج کرام کو قلت ہو جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بہت زیادہ گوشت کہاں کہاں پہنچا سکتے ہیں؟ بعد میں اسی مقصد کے لیے ہمارے استاد مرحوم مولانا حفظ الرحمن صاحب قاسمی معروفی کے لڑکے بھی دو دن روم پر آئے، مولانا ایک زمانے سے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں استاد تھے، انہوں نے مجھے مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں القراءۃ الراشدۃ پڑھایا تھا۔ ان کے لڑکے جب آئے تب تک ہم لوگ اپنے حصے کی قربانی کا پیسہ جمع کر چکے تھے، ایک دن کے ہمراہ مولانا انیس الرحمن صاحب معروفی کے لڑکے بھی آئے تھے۔ جب کوئی خارجی شخص کسی حاجی سے ملنے کے لیے کسی ہوٹل میں جاتا ہے، اس وقت گیٹ پر موجود پہریدار ان ملاقاتیوں سے ان کے نام وغیرہ ایک کاپی پر نوٹ کر لیتا ہے۔ تا کہ اگر کوئی حادثہ خدانخواستہ رونما ہو جائے تو ملزم گرفتار ہو سکے، ایسا تحفظ حجاج کرام کے لیے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے حجاج کرام کے متعلقین وشناسا حضرات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ملنے اکثر آتے رہتے تھے۔ جس سے چہل پہل ہر وقت رہا کرتی تھی۔

حج کے بعد ایک دن محمد عابد آیا، اس دن حاجی محمد شمشاد صاحب حرم شریف جا چکے تھے، محمد عابد صرف ہم دونوں کو لے کر گاڑی سے نکلا، اور پہلے منیٰ کی جانب لے گیا، اس نے سوچا کہ جمرات کی زیارت کرا دیں، میں نے کہا کہ اسے پھر کیا دیکھنا؟ اس نے کہا کہ ادھر ہی مسجد خیف بھی ہے، جمرات بھی دیکھ لیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اب جب کہ ایک بھی حاجی نہیں رہتے، تب وہ کیسا لگتا ہے۔ اس نے جمرات کے قریب پہنچ کر بہت کوشش کی مگر لگتا تھا کہ سارے راستے بند کر دیے گئے تھے، اس لیے کئی روڈ پر ٹرائی کرنے کے بعد بھی وہاں تک جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تب مسجد خیف دیکھنے چلے گئے، مسجد خیف کے نام

اوراس کی تصویر سے بہت پہلے سے شناسائی تھی، جس دن ہم لوگ رمی جمرات کے لیے جار ہے تھے، دور سے اس کے منارے جب نظر آنے لگے تو دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا، میں منارے کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہی وہ مسجد خیف ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھیں اور جس میں ستر انبیاء کرام کی قبر بتائی جاتی ہے۔جس وقت ہم لوگ پہنچے تو مسجد بند تھی، اس لیے اندر نہیں جا سکے اور باہر اس کی سیڑھیوں پر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آگے چلے گئے۔ یہ مسجد بہت بڑی ہے، منیٰ میں قیام کے دوران اس مسجد میں اس لیے نہیں پہنچ پائے کہ کنکریاں مارنے کے بعد پولیس انتظامیہ راستہ بدل کر واپسی کراتی تھی، اس لیے اس میں جا ہی نہیں سکتے تھے، اندر نماز پڑھنے کی حسرت پوری نہیں ہو پائی، اس لیے وہاں سے پھر حرم شریف کے قریب آکر جنت المعلیٰ قبرستان کی زیارت کے لئے پہنچے، لیکن یہاں اندر اس لیے نہیں جا سکے کہ وہاں گاڑی کھڑی کرنے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے گاڑی سے تھوڑی دیر کے لیے اتر کر باہر کی جالی سے ہی فاتحہ خوانی کی گئی اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر محمد عابد اس طرف سے واپسی کے لیے مڑا جدھر مکہ کی پرانی آبادی تھی، یہاں گلیاں تنگ تھیں، مکانات پرانے اور بازاروں میں بھیڑ تھی، محمد عابد نے بتایا کہ یہاں آکر بھیڑ کی وجہ سے پانچ منٹ کا راستہ ایک گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔شام کو بھیڑ اور زیادہ ہو جاتی ہے۔اگر میری سیٹھائن کو ادھر کوئی کام پڑ جاتا ہے تو حالت خراب ہو جاتی ہے۔اس لیے ادھر آنے سے کوفت ہوتی ہے۔لیکن وہ دوپہر کے قریب کا وقت تھا اس لیے ابھی بھیڑ زیادہ نہیں تھی۔ باقی پھر، ان شائ اللہ۔

آہ! میرے پھوپھا جان

حضرت مولانا عبدالستار الاعظمی المعروفی نوراللہ مرقدہ

(متوفی 1442ھ مطابق 2021ء)

مولانا ابوالمکارم صاحب معروفی استاذ مدرسہ ہذا

موت ایک حقیقت ہے کسی کو اس سے مفر نہیں ہے ارشاد باری ہے''**کل نفس ذائقة الموت**''(آل عمران:185) ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔لیکن اس کائنات رنگ وبو میں بعض ایسی نادرالوجود ہستیاں جنم لیتی ہیں جو دنیا اور اہل دنیا کے لئے باعث خیر و برکت ہوتی ہیں اور ان کی موت پر عزیز و اقارب کے علاوہ ہزاروں کے دل غم سے نڈھال اور آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں، جن کی وفات پر قیس بن عاصم تمیمی کی موت پر مشہور عربی شاعر عبدہ بن الطیب کے مرثیہ کا یہ شعر صادق آتا ہے:

وماكان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

راقم الحروف کے پھوپھا جان حضرت مولانا عبدالستار المعروفی الاعظمی قدس سرہ ایسی ہی باکمال ہستیوں میں سے تھے:

بہت لگتا تھا جی محفل میں ان کی
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

نام ونسب:(مولانا) عبدالستار بن قاری مقری حافظ ظہیرالدین بن حافظ رحیم بخش بن شیخ حاجی نور محمد سردار بن شیخ امانت اللہ۔

ولادت: مئوضلع کا ایک قصبہ''پورہ معروف'' ہے جو اپنے نام کی طرح معروف ہے، اسی قصبۂ علم و ہنر کی نمناک اور زرخیز سرزمین کا محلہ بانسہ آپ کی

جائے پیدائش ہے، یکم جنوری 1943 (یا1940) کو ایک علمی خانوادے میں آپ نے آنکھیں کھولیں، والد بزرگوار حضرت حافظ قاری مقری ظہیر الدین معروفیؔ (متوفی 1403ھ) نہایت ہی معاملہ فہم، تقویٰ شعار اور علم دوست آدمی تھے، ان کو فن تجوید وقرأت میں یدطولیٰ حاصل تھا، ''إحياء المعاني من حرز الاماني'' ان کی شاہکار تصنیف ہے جو اختلافات سبعہ میں نہایت جامع ومدلل ہے، اسی علمی خانوادے، صالح معاشرے اور دینی ماحول میں آپ کی نشوونما اور پرورش وپرداخت ہوئی، صلاح وتقویٰ اور لیاقت وقابلیت کے آثار بچپن سے ہویدا تھے، جیسا کہ مثل مشہور ہے: ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات اور شیخ سعدی شیرازی نے کہا ہے ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی ☆ می تافت ستارۂ بلندی

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتداء سے شرح جامی تک کی تعلیم مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں حاصل کی، اکثر کتابیں مشہور مورخ مولانا محمد عثمان عاصیؔ معروفیؔ (متوفی 1422ھ) سے پڑھیں، البتہ فارسی کی کچھ کتابیں استاذ العلماء حضرت مولانا امانت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1416ھ) سے مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں پڑھیں، اس وقت مولانا ابوبکر صاحب نیاپورہ پورہ معروف آپ کے ساتھی تھے، 1376ھ مطابق 1956ء میں مدرسہ معروفیہ میں مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؔ علیہ الرحمہ سے نحو کی مشہور کتاب شرح ملا جامی پڑھی۔

متوسطات کی تعلیم: اس کے بعد 1377ھ مطابق 1957ء کو مدرسہ مفتاح العلوم شہر مئو میں ایک سال علم حاصل کیا، یہاں کے مشہور اساتذہ میں محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا عبدالباری مئوی، مولانا عبدالرشید مئوی اور قاری عبدالمنان مئوی رحمہم اللہ ہیں، مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک سال پڑھنے کے بعد موقوف علیہ جامعہ احیاء العلوم مبارک پور میں پڑھا، یہاں کے ممتاز استاد مولانا مفتی محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اعلیٰ تعلیم وفراغت: تکمیل تعلیم کے لئے آپ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس چشمۂ علم ومعرفت سے ایک سال تک سیرابی حاصل کر کے 11 / شعبان 1379ھ مطابق 1959ء کو دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، یہاں پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید فخر الدین صاحب، مولانا عبدالجلیل صاحب اور علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ جیسے علم کے آفتاب وماہتاب سے علم کی روشنی حاصل کی، دارالعلوم میں اس وقت حضرت شیخ الہند کے متعدد مایہ ناز تلامذہ مسند علم وحکمت پر فائز تھے اور علم ومعرفت کی شمع روشن کررہے تھے، مولانا ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہوں نے شیخ الہند کے تلامذہ سے علم ومعرفت کا نور حاصل کیا، اس طرح آپ بیک واسطہ حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے، ایک مرتبہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میں نے حضرت شیخ الہند کے جن تلامذہ کو پایا ان کے علم کی کوئی انتہا نہ تھی''۔

تدریسی خدمات: تکمیل تعلیم کے بعد اب وقت آگیا تھا کہ مدارس کے پرنور اور علمی ماحول میں جو کچھ حاصل کیا تھا اس کو عام کیا جائے، اس لیے دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد 1380ھ۔ مطابق 1960 میں ایک ہفتہ جامعہ احیاء العلوم مبارک پور میں پڑھایا اس کے بعد بوجہ علالت جامعہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، صحت یابی کے بعد 1960 کے آخر میں آسام کے ایک مدرسے میں تدریسی خدمت انجام دی، وہاں بھی آب وہوا راس نہ آئی بالآخر چھ ماہ پڑھانے کے بعد گھر واپس آگئے اور دس سال تک گھر پر رہے، علاقائی وخاندانی دستکاری کو اپنا مشغلہ بنایا، اس دوران تبلیغی جماعت سے وابستہ رہے، اور اس راستے سے خلق خدا کو اپنے علم سے فیض یاب کرتے رہے بقول شاعر:

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

دس سال کے طویل عرصے کے بعد دوبارہ تعلیمی وتدریسی سلسلہ شروع فرمایا اور دارالرشاد بارہ بنکی کو علم کی جولان گاہ بنایا وہاں 1971 سے 1977

تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اس کے بعد 1391ھ مطابق 1977ء سے 1411ھ مطابق 1990ء تک چودہ سال مرکزی دارالعلوم محمدیہ گھوسی ضلع مئو میں اور اس کے بعد دو سال قاسم العلوم گھوسی میں طالبان علوم نبوت کو فیض پہنچاتے رہے، مرکزی میں آپ نائب صدر اور کارگزار ناظم کے عہدے پر بھی فائز رہے، آخر میں 1413ھ مطابق 1992ء سے رجب 1442ھ مطابق 2021ء تک انتیس سال شیراز ہند جونپور کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ حسینیہ لال دروازہ میں آپ استقلال و جانفشانی کے ساتھ مسند درس پر جلوہ افروز رہے، یہیں تاحیات علم کے موتی بکھیرتے اور تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے، ایک عرصے تک مسند صدارت کے عہدے پر بھی فائز رہے، آپ جامعہ کے روح رواں، ممتاز و مایہ ناز اور ہر دل عزیز استاذ تھے، آپ کا وجود اہل جامعہ کے لیے مرجع الاساتذہ کی حیثیت رکھتا تھا، اسی لئے ناظم جامعہ اپنے استاذ کی طرح ان کا اعزاز و اکرام فرماتے اور ان کی ہر ضرورت کا خیال فرماتے تھے حتیٰ کہ کینسر جیسے مہلک اور خطرناک مرض کا علاج فوزیہ ہاسپٹل ممبئی میں کرایا اور اس پر خطیر رقم خرچ کی، ناچیز نے متعدد مرتبہ آپ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: ناظم صاحب میرے ساتھ اپنے استاد جیسا برتاؤ کرتے ہیں اور میرا خصوصی خیال فرماتے ہیں۔

درسی خصوصیات: آپ کہنہ مشق مدرس اور نہایت کامیاب استاد تھے، جہاں بھی رہے خوش اسلوبی اور جانفشانی سے تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، آپ کا درس انتہائی مقبول، عالمانہ، بصیرت افروز اور علمی نکات سے پر ہوتا تھا حل عبارت میں کسی طرح کی کوئی تشنگی باقی نہ رہتی، مصنف کا مقصد اچھی طرح طلبہ کو ذہن نشین کراتے، ہوائی تقریر کے بجائے عبارت سے مربوط مطلب بیان کرتے اور کتابی مثالوں کے علاوہ خارجی مثالیں پیش فرماتے۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ طالب علم کے اندر ٹھوس استعداد و صلاحیت اور علمی ذوق وشوق پیدا ہو جائے۔ آپ صرف کتاب نہیں بلکہ فن پڑھاتے تھے جس کی وجہ سے طلبہ کو فن سے مناسبت ہو جاتی تھی؛ جلالین شریف کے سبق میں تفسیری کلمات کے اضافے کی دلنشیں علمی توجیہ پیش کرنے میں خصوصی ملکہ اور الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے اور لاینحل مسائل کو حل کرنے کا ہنر حاصل تھا، منطق و فلسفہ جیسا خشک فن؛ جس سے اکثر طلبہ کو مناسبت نہیں ہوتی ہے مگر مولانا موصوف اسے ایسے انداز سے پڑھاتے تھے کہ طلبہ عش عش کرنے لگتے۔ مولانا کے درس کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ سبق پڑھانے میں اس درجہ انہماک اور استغراق ہوتا کہ دوران درس اگر کوئی ان کے سامنے آتا تو اس کو پہچان نہ پاتے، گزرنے والا ان کا عزیز اور محسن و کرم فرما ہی کیوں نہ ہو، اس تعلق سے راقم الحروف سے ایک دو واقعات بھی سنائے تھے۔ نیز اسباق اور اوقات کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ گھنٹہ لگتے ہی درس گاہ پہنچنے کا اہتمام ہوتا اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تو بلا جھجک طلبہ کے سامنے وجہ تاخیر بیان کر دیتے اور تاخیر پر عذر خواہی میں دریغ نہ فرماتے تھے، شاد عظیم آبادی نے شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے:

ڈھونڈھوگے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

غرض آپ نے نصف صدی سے کچھ زائد ہی مدت تک تدریسی خدمات سرانجام دیں اور علم کی شمع روشن کی، اس طویل عرصے میں اس شمع ضیاپاش سے ہزاروں پروانے اپنی بساط کے موافق علم وفن کی روشنی حاصل کر کے لے گئے؛ بقول شاعر:

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں ☆ صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

اوصاف وکمالات: حضرت مولانا عبدالستار صاحب معروفی علیہ الرحمہ فطرتاً سادہ مزاج اور نفاست پسند تھے، دین و شریعت سے سچی محبت اور دینی غیرت وحمیت آپ کے دل ودماغ میں پیوست تھی؛ اخلاص وللہیت، صبر وشکر، تقویٰ و پرہیزگاری، مروت وشرافت، خردنوازی و علم دوستی، قناعت پسندی، سنت نبوی کی پیروی اور اوراد و وظائف کی پابندی آپ کے مزاج و مذاق میں داخل تھی۔ اپنے محسن کرم فرما کے احسان شناس اور حد درجہ قدرداں تھے، ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا کہ اپنی وجہ سے کسی کو تکلیف اور کسی طرح کی گرانی نہ ہو، اس سلسلے میں آپ کی زندگی میر انیس کے اس شعر کا مصداق تھی:

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری ☆ کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

نشست و برخاست، رفتار و گفتار، اظہار خیال اور ہر ہر ادا سے تواضع و فروتنی ٹپکتی تھی، معمولی سے معمولی کام خود کر لینے میں نہ کوئی عار محسوس کرتے تھے اور نہ کسی قسم کا تکلف۔ بار ہا دیکھا گیا کہ اپنے مکان کے پاس گلی میں خود ہی جھاڑو لگا رہے ہیں۔ دولت دنیا سے بے نیاز، اہل دنیا سے مستغنی، خلق خدا کی داد و تحسین سے بے پرواہ ہو کر اپنے کام میں مست رہتے تھے۔ ان کی نگاہ میں شہرت و ناموری کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں تھی کہ ؎

شہرت کی بلندی بھی پل بھر کا تماشا ہے ☆ جس ڈال پہ بیٹھے ہو وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے

نماز با جماعت کی کمال درجہ پابندی تھی؛ اذان ہوتے ہی مسجد پہنچ جاتے، اذان کے بعد کسی کام میں مشغولی ناقابل برداشت تھی۔ حضر کی طرح سفر میں بھی نمازوں کا اہتمام فرماتے، یوں تو گورینی آنے جانے میں کئی مرتبہ سفر میں آپ کی معیت کا شرف حاصل رہا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے کنڈیکٹر سے بس روکنے کی درخواست کی، تھوڑی دیر میں بس کھڑی ہوگئی، فوراً روڈ پر بس کے سائے میں رومال کو مصلی بنایا اور بندے کو ساتھ لے کر با جماعت نماز ادا فرمائی، موقع کی نزاکت کے پیش نظر فریضۂ امامت خود ہی انجام دیا اور مختصر سی نماز پڑھائی:

ادا کر تحفۂ معراج پر شکر خدا مومن ☆ اسے عرش بریں کے خاص مہماں لے کے آئے ہیں

خالق و مالک نے آپ کو دین کے ساتھ دانش اور علم کے ساتھ جرأت و بے باکی سے نوازا تھا، اسی لیے مُنکَر پر بلا خوف لومۃ لائم اور برملا نکیر فرماتے، صحیح بات کی جانب رہنمائی فرماتے اور بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے تھے بلکہ مرعوبیت ان کے مزاج کے خلاف تھی۔

رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ علم کا استحضار بھی تھا، فقہی مسائل بحوالہ کتب بیان کر دیتے، علم تفسیر سے آپ کو خاص شغف تھا، تفسیر میں ثاقب نظری اور ژرف نگاہی حاصل تھی۔ اس فن میں آپ کا مطالعہ کتنا وسیع اور آپ کو کتنا عبور حاصل تھا اس کا کچھ اندازہ جلالین کے سبق سے لگایا جا سکتا تھا۔

مولانا کو جہاں صرف و نحو میں مکمل عبور تھا وہیں منطق و فلسفہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، منطق میں آپ نے دو جدول تیار کیے ہیں ایک میں مواجہات کی بناوٹ، بسائط، مرکبات، عکس مستوی اور عکس نقیض وغیرہ کی تعریفات، مثالیں اور اشکال محتملہ کو سمو دیا ہے۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے ''جداول **الموجهات والعکوس والنقائض**'' دوسرے جدول میں قیاس کی اشکال اربعہ کی تعریف شرائط اور نتیجہ خیز صورتوں کو پیش کیا گیا ہے، اس جدول کا عنوان ہے ''نقشہ قیاس مع اشکال اربعہ و امثال آں''

ایک مدرسہ کی دیوار پر بانی مدرسہ علیہ الرحمۃ کی یہ دعا لکھی ہوئی ہے "اے اللہ! جو اس مدرسے میں آجائے اسے محروم نہ فرما، اور اسی کے قریب بانی مدرسہ کا ایک ملفوظ چسپاں تھا" جو میرا نہیں ہے وہ میرے مدرسے کا نہیں "اس پر نگاہ پڑتے ہی مولانا نے برجستہ کہا: جنس و فصل دونوں ہیں.

اردو ادب کا عمدہ ذوق اور شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی، یہی وجہ تھی کہ اردو فارسی عربی تینوں زبان کے اشعار نوک زبان پر رہتے تھے، امام تجوید و قرأت حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب مدظلہ العالی کے بقول آپ کو بزبان عربی شاعری پر قدرت حاصل تھی۔

قرآن کریم سے والہانہ تعلق: قرآن حکیم جو محبوب حقیقی کا کلام ہے، اس سے والہانہ عقیدت و محبت اور بلا کا لگاؤ رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ کلام الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز میں دل کو سکون نہیں ملتا ہے ؎

بسا ہے خالق حسن دو عالم میری آنکھوں میں ☆ کوئی آئے زلیخا دل میرا مائل نہیں ہوتا

چھٹیوں کے موسم میں جب ان کے عزت کدہ پر حاضر ہوتا تو اکثر و بیشتر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول دیکھتا تھا، روزانہ ایک منزل کی تلاوت اور ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرنا آپ کا معمول تھا، حج کے زمانے میں بھی حرمین شریفین میں روزانہ حسب موقع تین گھنٹہ یا اس سے زائد وقت قرآن کی تلاوت میں بسر ہوتا تھا تعلیم کے زمانے میں بھی فرصت کے اوقات قرآن مجید کی تلاوت میں صرف ہوتے، حتی کہ سالانہ چھٹیوں کے موقع پر گھر سے قریب

مسجد میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ کی تیاری کرنے والے طلبہ کو جلالین شریف پڑھاتے تھے، غالباً قرآن کریم سے اسی فریفتگی نے ان کو تصنیف و تالیف کی فرصت نہ دی، چنانچہ میں نے ایک دفعہ حسامی (باب القیاس) کی شرح لکھنے کی درخواست کی تو فرمایا: ''اجی مجھے قرآن ہی سے فرصت نہیں ملتی ہے'' غرض قرآن کریم کی تلاوت ان کی روح کی غذا تھی اسی سے ان کے دل کو سکون ملتا تھا، ڈاکٹر آصف راز پراچہ کے بقول ؎

تو کرب کے لمحات میں قرآن پڑھا کر ☆ لاریب تیری روح کو تسکین ملے گی

قرآن کریم سے اسی شیفتگی و فریفتگی کی برکت سے آپ کے قلب پر معانی قرآن کا نزول ہوتا تھا، بقول علامہ اقبال ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب ☆ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اہل تعلق کی دل داری: اہل اللہ کا ایک خاصہ جو سنت نبویہ کی پیروی میں گویا ان کو وراثتاً ملتا ہے وہ عام مخلوقات پر عموماً اور اپنے اہل تعلق و قرابت پر خصوصاً شفقت و عنایت کی فراوانی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی رافت و رحمت، عنایت و شفقت سے عبارت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہ وصف وارثین نبوت کو بھی ملتا ہے، حضرت مولانا کی زندگی میں یہ صفت نمایاں طور پر موجود تھی، چنانچہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، بیماروں کی عیادت، مصیبت زدوں کی تعزیت، علماء و صلحاء کی زیارت اور شاگردوں پر شفقت و عنایت کی فراوانی کے ساتھ دوستوں اور دیگر اہل تعلق کی ایسی دلداری فرماتے کہ سب نہال ہو جاتے۔

استقامت: استقامت جو ہر کرامت سے بڑھ کر ہے، اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صفت استقامت ہی تمام اوصاف و کمالات کا مجموعہ ہے، اس کا مشاہدہ حضرت مولانا کی زندگی میں ایک دل آویز تسلسل کے ساتھ ہوتا تھا، روزانہ ایک منزل کلام اللہ شریف کی تلاوت، ہر سال بلا تخلف رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف مسنون، تہجد و آہ سحر گاہی کا اہتمام، اوقات اور معمولات کی حد درجہ پابندی سب اسی صفت استقامت کا اثر تھا۔

ظرافت و خوش مزاجی: مزاح و مذاق بھی انسانی فطرت کا ایک لازمی حصہ ہے جو خالق و مالک نے اس میں ودیعت رکھا ہے، اسی لیے ہر فرد بشر میں یہ مادہ معتد بہ مقدار میں پایا جاتا ہے، خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب موقع مزاح فرمانا احادیث سے ثابت ہے، حضرت مولانا کو بھی اس عطائے الٰہی سے وافر حصہ ملا ہوا تھا، آپ حدود میں رہتے ہوئے مزاحیہ جملے خوب بولا کرتے تھے، اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ظرافت کی وجہ سے اہل مجلس کے چہروں پر پژمردگی و غنودگی کے بجائے فرحت و انبساط کی کرنیں پھوٹتی نظر آتیں، آپ کے وطن پورہ معروف میں المعارف دار المطالعہ دینی کتابوں کا ایک علمی مرکز ہے، حضرت مولانا اس سے قلبی لگاؤ اور علم و اہل علم سے انسیت کی وجہ سے نماز مغرب کے بعد اکثر و بیشتر اس دار المطالعہ میں تشریف لاتے، اور اہل علم و دانش کے درمیان علمی، ادبی اور ظریفانہ گفتگو فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک بوڑھے میاں نے اپنے دانت ہلنے کا تذکرہ کیا تو آپ نے فی البدیہہ کہا:

غم نہ کر دانت بڑھاپے میں اگر ہلتے ہیں ''وقت رخصت ہے یہ آپس میں گلے ملتے ہیں''

حج و زیارت: انسانی فطرت کی یہ چاہت ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کے ساتھ عشق و محبت کا اظہار کرے، اس کے گھر کا چکر لگائے، در و دیوار کو چومے، اور اس سے لپٹ جائے جیسا کہ لیلیٰ کا عاشق زار مجنون کہتا ہے ؎

أمُرُّ علی الدِّیارِ دیارِ لیلی ★ أقَبِّلُ ذا الجدارَ وذا الجدارا

میں لیلیٰ کے شہروں سے گزرتے ہوئے کبھی شہر کی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کا بوسہ لیتا ہوں۔

خالق و مالک نے اپنے عاشقوں کے اس شوق کی تکمیل کے لیے حج جیسی عاشقانہ عبادت کو مشروع کیا اور اظہارِ محبت کے لئے بیت اللہ کو ایک نشان بنایا، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ بندہ اپنے اندر سچی طلب پیدا کرے ؎

اگر صادق ہیں آپ اے دوست! اظہار محبت میں ☆ طلب خود کر لیے جائیں گے دربار محبت میں

حضرت مولانا بھی انھیں عاشقوں میں سے ہیں جنھوں نے محبوب کے گھر کا دیوانہ وار چکر لگایا، در و دیوار سے چمٹ کر اپنی محبت کا اظہار کیا اور جذبہ عشق کو سکون بخشا چنانچہ آپ ۱۴۲۱ھ میں فریضۂ حج کی ادائیگی سے مشرف ہوئے۔

اولاد: اولاد؛ اللہ تعالی کی بیش بہا نعمت، گرانقدر عطیہ اور والدین کے لیے مستقبل کا قیمتی اثاثہ ہے، ان کے وجود کو دنیاوی زندگی میں زینت و کمال اور رونق و بہار سے تعبیر کیا جاتا ہے، خالق کائنات نے حضرت مولانا کو اس بیش قیمت نعمت سے بھی سرفراز کیا تھا، آپ کے یہاں چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں، بڑی بیٹی مولانا کی حیات میں اللہ کو پیاری ہوگئی۔

سبھی صاحبزادگان ملک کی مایہ ناز درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے استاد محترم مولانا محمد عمران صاحب مدظلہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں فقہ وحدیث کے ماہر و مقبول ترین استاد ہیں، مولانا محمد عمران صاحب علم و دانش، تواضع و انکساری، تقویٰ پرہیزگاری اور گفتار و کردار میں اپنے والد بزرگوار کا عکس معلوم ہوتے ہیں، دوسرے صاحبزادے مولانا محمد سلمان صاحب ہیں جو ہنوز درس و تدریس سے وابستہ نہیں ہوئے ہیں، علاقائی دستکاری ان کا مشغلہ ہے۔

تیسرے صاحبزادے مولانا محمد رضوان صاحب حافظ قرآن، قرات سبعہ کے قاری اور جید الاستعداد ہیں، پورہ معروف کے سب سے قدیم ادارہ ''مدرسہ معروفیہ'' میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اپنے والد کی طرح علمی وتحقیقی مزاج رکھتے ہیں اور معمولات کے انتہائی پابند ہیں۔

سب سے چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد غفران ہیں، جو حافظ قرآن بھی ہیں، اور مدرسہ سراج العلوم پورہ معروف میں مدرس ہیں، پوتوں میں بھی کچھ عالم دین، بعض حافظ قرآن ہیں، اور بقیہ طلب علم کی راہ میں رواں دواں ہیں، یہ سب عاشق قرآن حضرت مولانا عبدالستار صاحب کی قرآن کے ساتھ محبت کا ثمرہ ہے کہ ان کی نسلوں میں قرآن کا فیض جاری ہے ؎

عمل جوشوق سے کرتا ہے قرآن معظم پر ☆ وہی ہوتا ہے بیشک مورد الطاف رحمانی

ظاہر ہے کہ علم وعمل سے آراستہ اولاد "**ولدٌ صالحٌ یدعوله**" کا مصداق بنے گی، خدائے ذوالجلال ان کو ہر طرح کے شرور وفتن سے بچائے، دین و دنیا میں کامیابی سے ہمکنار کرے، اور قرآن کریم کو دلوں کی بہار بنائے.

مرض وفات وسفر آخرت: مرض کے باوجود تدریسی سلسلہ جاری تھا بالآخر وہ دن آگیا کہ جلالین شریف کا درس دینے کے بعد جامعہ سے علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس گئے، اور وہاں سے گھر تشریف لائے، گھر ہی پر علاج و معالجہ جاری رہا، مگر ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور دوبارہ مدرسہ کی حاضری مقدر نہ تھی، ایک دفعہ حسرت بھرے لہجے میں راقم آثم سے فرمانے لگے ''مدرسے سے آنے کے بعد دوبارہ جانا نصیب نہیں ہوا'' آپ کے سینے میں زندگی کے آخری لمحات تک علم کی تحصیل وتحقیق کا جذبہ موجزن تھا۔

مولانا بہت حوصلہ مند اور صابر وشاکر قسم کے انسان تھے چنانچہ علالت کے زمانے میں وقفے وقفے سے متعدد بار ان کی خدمت میں جانے کا شرف حاصل ہوا لیکن مرض کی وجہ سے کبھی آپ کے چہرے مہرے پر رنج کے آثار نہیں دکھے بلکہ مرضیِ مولی پر راضی رہتے، اور موضوع گفتگو کوئی علمی باریکی، تفسیری نکتہ یا پھر لاک ڈاون کی وجہ سے مدارس ومکاتب کے تعطل پر حسرت وافسوس کا اظہار ہوتا، موت اور سفر آخرت کا تذکرہ ہوتا، مغفرت کی فکر دامن گیر رہتی، عشق رسول اور محبت الٰہی سے سرشار ہو کر گفتگو فرماتے اور ایسی رقت طاری ہوتی تھی کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ؎

ہے کیا بات نام ان کا آتے ہی لب پر ☆ ہم احمد تیری آنکھ نم دیکھتے ہیں

ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا تو مرض کی شدت کی وجہ سے ضعف بہت تھا، دوران گفتگو ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا واقعہ بیان فرمانا شروع کیا جن کے سینے پر خنجر لگا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لٹایا، اور چہرے پر بوسہ لیا تھا، اس واقعے کو بیان کرر ہے تھے اور حال یہ تھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے، بقول مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ ؎

فیضان محبت ہے یہ فیضان محبت ☆ اب میں ہوں تیری یاد ہے اور دیدۂ تر ہے

اس وقت فارسی کا یہ شعر ؎

توبوقت جاں سپردن ☆ تو بسر نہادی برکف

پڑھنے کی کوشش کرتے مگر بار بار ذہول ہوجاتا تھا بالآخر کسی طرح مکمل کیا پھر بمشقت تمام لطف لے لے کر مکرر سہ کرر پڑھتے رہے اور مجھ سے بھی پڑھواتے رہے، مرزا غالبؔ نے سچ کہا ہے ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار ☆ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

اس کے بعد دو تین مرتبہ عیادت و ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوا مگر مرض اور ضعف میں روز افزوں اضافہ کے باعث اس طرح کی کوئی بات سننے سے محرومی رہی، بالآخر 25 / جولائی 2021ء، 15 / ذی الحجہ 1442ھ کا دن گزرنے کے بعد بوقت عشا یہ دردناک اور جانکاہ خبر خرمن ہوش وحواس پر صاعقہ بن کر گری کہ پھوپھا جان کا انتقال ہو گیا ہے؛ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ ؎

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی ☆ ایک مسافر کی رہ تمام ہوئی

مولانا موصوف کی رحلت سے علمی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پورا ہونا بظاہر آسان نہیں ہے، علم وعمل کے جامع، اخلاص وللٰہیت کے ساتھ دین کی خدمت کرنے والے اور استغراق وانہماک کے ساتھ درس دینے والے دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں اب یہ حالت ہے ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں ☆ کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

الغرض پھوپھا جان علیہ الرحمۃ والرضوان علم وعمل میں اسلاف کی یادگار اور ان کے پیروکار تھے۔آپ کے چند تصنیفی کارنامے مطبوعہ شکل میں محفوظ ہیں، ان میں ایک ''اصلاحی مکالمے'' اور دوسرا ''نسیم حجاز'' ہے۔

آپ کی ذات والا صفات کے نوع بنوع کمالات کا احاطہ مجھ جیسا بے بضاعت اور کوتاہِ دست وقلم کیا کرسکتا ہے یہ تو اساطین علم وفضل کا کام ہے: ''قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری'' اللہ بزرگ و برتر مولانا موصوف کی مغفرت فرمائے، ان کی دینی وعلمی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے۔ ''ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!''

☆......☆......☆

محب انسانیت حضرت مولانا متین الحق اسامہ رحمہ اللہ تعالیٰ

انصار احمد معروفی

تحصیل علم کے ساتھ اگر خشیت الٰہی کی دولت نصیب نہیں ہوئی تو اس عالم کے اندر انانیت اور تکبر ضرور پیدا ہوجائے گا، جو اس کو خلق خدا میں بے حیثیت اور نامقبول بنانے کے لیے کافی ہوگا۔ یہ دونوں چیزیں ابلیس لعین میں موجود تھی جس کے باعث وہ ہمیشہ کے لیے راندۂ دربار الٰہی ہوگیا۔

اس تمہید سے مقصود خلق خدا میں محب انسانیت مولانا متین الحق اسامہ کی محبوبیت اور اس کے اسباب کو ذکر کرنا ہے۔ مولانا متین الحق اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کو خالق کائنات

نے کم عمری کے باوجود ان کے خلوصِ نیت اور خدمت خلق کے طفیل جتنی مقبولیت مخلوق میں اتار دی تھی اتنی محبوبیت بہت سے علماء کو زندگی کی ساتویں اور آٹھویں دہائی میں بھی نہیں ملتی۔

کچھ لوگ اگر کسی مدرسے کے بانی اور مہتمم ہوتے ہیں تو وہ اس عہدے کے غرور اور نشے میں رہ کر خلق خدا سے بے اعتنائی برتنے کے ردعمل میں شہرت اور پسندیدگی کے تناظر میں محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جب کہ مدرسین حضرات میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مدرسے کی چہار دیواری میں مقید ہو کر یکسوئی کے ساتھ طلبہ تک ہی اپنی ملاقات کا دائرہ رکھنا گوارا کرتے ہیں، وہ اس سے بے خبر رہتے ہیں کہ ہم پر کچھ اور بھی ذمہ داریاں بحیثیتِ معلم عائد ہیں۔ دینی تعلیم یافتہ حضرات میں سے جو لوگ امامت کے مرتبے پر فائز ہیں ان میں سے بھی عموماً محلہ میں دو گروپ کی وجہ سے خود کو غیر جانبدار ثابت کرنے کے لیے مسجد کے محراب سے باہر نکل کر "خیر الناس من ینفع الناس" سے دور رہنے میں ہی بقائے امامت سمجھتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں فکروں کے دائرے میں وسعت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟ جس شخص کا عوام وخواص سے براہِ راست اختلاط نہ ہو، جو عوام الناس سے کٹ کر زندگی گزارنے میں ہی عافیت سمجھتا ہو، جو تعلیمی ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود تعلیمی بیداری مہم کا حصہ نہ بن سکے، مسلمانوں میں شرح خواندگی کی تفصیل سے اسے دلچسپی ہو نہ ہی اس تعلق سے سوچنے کی اسے فرصت ہو۔ وہ اگر امام مسجد ہے، جہاں ہر قسم کے لوگ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آتے ہیں، مگر اس موقع سے فائدہ اٹھانے اور ان سے مل کر علم وعمل کے میدان میں کوئی ٹھوس اور نمایاں کام کرنے کا تصور تک اس کے دل میں نہ ابھرے۔ تو پھر اس کی زندگی بے سمتی کا شکار ہو کر یوں ہی بے مقصد گزرتی چلی جائے گی، ایسے لوگوں کے دلوں میں خدمت خلق کے جذبہ کا فقدان ہوتا ہے، جب مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کے تعلق سے ایسے ایسے تعلیم یافتہ اشخاص کی بے اعتنائی کا یہ حال ہوگا تو اس دور کی ''عوام کالانعام'' کا کیا ذکر چھیڑا جائے؟ جب اپنے ہم مشرب برادران اسلام کی اسلامی خدمات سے بے تعلقی کے یہ ناگفتہ حالات ہوں گے تو کیا ایسے شخص سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ وحدت انسانیت کی بنیاد پر کسی برادران وطن کے احوال سے واقفیت کے لیے دو قدم چل سکے گا؟ اور انسان کے کام آسکے گا؟

لیکن اسی نفسا نفسی کے دور میں مولانا متین الحق اسامہ رحمہ اللہ تعلیم وتعلم کے شیوع کے ساتھ خدمت خلق میں لگے رہے اور انسان ہونے کے ناطے ہر فرد بشر کی خدمت کے حوالے سے کم عمری میں جتنا کام خلوصِ دل کے ساتھ کر کے گزر گئے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ امت کو کسی بھی طور سے فائدہ پہنچانے کے سلسلے میں مولانا مرحوم کی بے لوث خدمتیں روز روشن کی طرح جگمگا رہی ہیں، حالاں کہ وہ بھی دوسروں کے جیسے ایک عالم دین تھے، جو دارالعلوم دیوبند سے ہم لوگوں سے چار سال کے بعد 1989 میں فارغ التحصیل ہوئے، لیکن مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں مدارسِ اسلامیہ قائم کر کے دین کی بنیادی تعلیم کا نظام قائم کر دیا، تدریس کی خاموش اور آرام دہ جگہوں سے نکل کر امت کے درمیان گھس گئے اور ان کی بنیادی ضروریات کا جائزہ لے کر جس جگہ جیسی ضرورت محسوس کی وہاں اس کے مطابق کام کا آغاز کر دیا، مولانا گفتار کے محض غازی نہیں تھے، بلکہ کردار کے غازی بن کر اپنے طبقۂ علما کو امت مسلمہ میں عملی راہ دکھانے اور اس پر چل دینے پر یقین رکھتے تھے۔ نظامت کی کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے محض نظامت کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا، بلکہ اس خول سے باہر نکل کر عوام وخواص سے تعلقات استوار کیے، امت کے ہر طبقے سے مل کر تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے، اگر وہاں دینی مکتب کے قیام کا تقاضا ہوا تو اسے بے سروسامانی کے باوجود توکلا علی اللہ شروع کر دیا اور دیگر لوگوں کو بھی اس کی جانب متوجہ کیا۔ اگر اس مقام پر عصری تعلیم کی ضرورت کا احساس ہوا تو ساتھیوں سے مل کر ایک مولوی نے اسکول وکالج کی بنیاد ڈال کر بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے رہنے والوں کو یہ سبق سکھا دیا کہ کام کرنے والوں کے لیے تمام راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے ناخواندگی کی زنجیریں نہیں کٹ سکتیں، صرف تقریروں سے جہالت کا اندھیرا روشنی میں نہیں بدلا جا سکتا۔

انہوں نے مساجد سے وابستہ ہو کر منبر ومحراب سے یہ آواز لگائی کہ اس دنیا میں عزت کی زندگی جینے کے واسطے ہر انسان سے محبت کرنا ہوگا، ہندوستان جیسی مخلوط اور کثیر المذہب آبادیوں میں رہ غیر مسلم سے بھی تعلقات کے دائرے کو وسیع کرنا ہوگا، مسلمانوں کے خلاف جو زہر آگیں ماحول بنا دیا گیا ہے اور فرقہ وارانہ جو خلیج حائل کر دی گئی ہے اسے خدمت انسانیت کے ذریعے پاٹنا ہوگا، ان میں دینی دعوت پھیلانے کی راہ ہموار کرنی ہوگی، اس خیال سے مولانا متین الحق اسامہ مرحوم" پیام انسانیت" پلیٹ فارم سے خود کو مربوط کر کے برادران وطن میں چلے پھرے، حتی کہ فرقہ وارانہ فسادات یا اس طرح کے ہنگامی حالات میں بلا تفریق مذہب وملت سب کے دکھ درد میں کام آئے، اور سب کے زخموں کے اندمال کی عملی تصویر پیش کی۔

تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے اور شرح خواندگی کو اوپر لانے کے لیے مدارسِ اسلامیہ کے جال بچھا دیے، عصری تعلیم گاہوں کے راستے کھول دیے، جمعیت علمائے ہند کے مضبوط سپاہی بن کر اپنی شعلہ زبانی اور مؤثر بیانی کے ذریعے ظلم و تعدی اور استحصال کے خلاف آواز بلند کی، آپ نے زندہ ضمیری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے یہ واضح کر دیا کہ مردِ حق آگاہ کبھی باطل طاقتوں سے مرعوب نہیں ہوتا، کبھی حق بات کہنے اور حقانی مطمح نظر پیش کرنے میں حجاب محسوس نہیں کرتا۔

مولانا متین الحق اسامہ مرحوم کی کتاب زندگی کے روشن صفحات کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جس بندۂ خدا سے کام لینا ہوتا ہے، اس کے لیے اسباب مہیا کر دیتا ہے، اور اسے خود غرضی سے نکال کر انسانیت کی نفع رسانی کے لیے منتخب فرما لیتا ہے۔

آپ کی حیات مستعار سے علماء کو یہ درس ملتا ہے کہ تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ملی، دینی، اخلاقی اور انسانی اقدار کی بنیاد پر بہت سے کام انجام دیے جا سکتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے ساتھ خلق خدا میں محبوبیت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو

مبصر: اسامہ ارشاد معروفی قاسمی۔ پورہ معروف نگر پنچایت کرتھی جعفر پور مئو (یوپی)

انجمن ترقی اردو کا قیام ویسے تو ایک شعبہ کے طور پر ۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دہلی اجلاس میں عمل میں آ گیا تھا؛ لیکن اس کے ایک دن بعد یعنی ۵ر جنوری کو ایک پرائیویٹ اجلاس میں اس شعبہ کو باقاعدہ ''انجمن ترقی اردو'' کا نام دے دیا گیا اور اس کا مقصد اردو زبان کی ترقی و بقا قرار پایا۔ اور اسی دن انجمن کے پہلے صدر پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اور پہلے سکریٹری علامہ شبلی نعمانی منتخب ہوئے اور اردو کے عناصر اربعہ میں مولوی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی اور منشی ذکاء اللہ دہلوی انجمن کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ جنھوں نے اس کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔ تاریخ ادب میں انجمن ترقی اردو کا قیام ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ شبلی کی کوشش اور انجمن کی بدولت اردو کا دامن نہ صرف وسیع ہوا؛ بلکہ اس میں مختلف علوم وفنون اور ان کی تصنیفات و تالیفات کا اضافہ بھی ہوا اور زبان نئے علوم وفنون سے آراستہ ہوئی۔ شبلی نعمانی نے بحیثیت سکریٹری انجمن ترقی اردو میں مؤسسانہ کردار ادا کر کے انجمن میں ایک نئی روح پھونک دی اور اپنی مسلسل محنت، لگن اور جدوجہد سے انجمن کو اردو کا ایک اہم ادارہ بنا دیا۔ ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب (استاد شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) جنھوں نے ''انجمن ترقی اردو کی علمی و ادبی خدمات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی نے چار پانچ ماہ کے اندر انجمن ترقی اردو کو منظم اور فعال بنا دیا۔ ان کی کوششوں سے انجمن کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا۔ طبقات الاطباء، اشرف المخلوقات اور رہنمایان ہند کے مصنفوں رمترجموں نے ان کتابوں کے مسودے انجمن میں پیش کیے اور ملک کے مختلف حصوں سے شبلی کے پاس مصنّفین کے خطوط آنے لگے کہ وہ کس موضوع پر کتاب لکھیں یا کس کتاب کا ترجمہ کریں۔ ایسے اصحاب کی فہرست میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بھی شامل ہے۔ اور غالباً اسی زمانے سے مولانا آزاد کی شبلی سے خط و کتابت شروع ہوئی۔ انجمن کے لیے علمی خدمت گاروں کی تعداد جون ۱۹۰۳ء میں ۵۸ رتک پہنچ چکی تھی، جسے دیکھتے ہوئے شبلی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان عباسیوں کا بغداد بن جائے گا۔'' (صفحہ: ۳۶)

انجمن ترقی اردو کے قیام کے تعلق سے علامہ شبلی کے پیش نظر کیا مقصد تھا؟ اس بارے میں انھوں نے خود لکھا ہے کہ:

''اردو زبان اور اردو لٹریچر اگرچہ قدرتی اسباب کی وجہ سے خود بخود ترقی کر رہا ہے لیکن اس وقت تک اس کی ترقی اور استحکام کے لیے کوئی مستقل اور منظم طریقہ نہیں اختیار کیا گیا۔ حالانکہ ہندوستان کی جس قدر ملکی زبانیں ہیں ہر ایک کی ترقی کے لیے نہایت سرگرم اور مفید کوششیں کی جارہی ہیں۔ مثلاً پونا میں مرہٹی زبان، بنارس میں ناگری اور کلکتہ میں بنگالی زبان کو ترقی دینے کے لیے سالانہ زر کثیر صرف کر رہے ہیں اور عملی صورت میں اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اس بنا پر اس سال ایجوکیشنل کانفرنس کی علمی شاخ میں ایک صیغہ خاص اردو زبان کی ترقی دینے کا قائم کیا گیا اور اس کی کارروائی کے لیے ایک مختصر سا دستور العمل مرتب کیا گیا۔''

(صفحہ: ۳۵)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتاب ''علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو'' دراصل علامہ شبلی کی انجمن کے لیے دی گئیں عظیم خدمات، انجمن کو بلندیوں تک پہنچانے میں علامہ کی جدوجہد اور ان کے شاندار کارناموں کی تحقیقی و تفصیلی داستان پر مشتمل ہے جو پہلی بار کتابی شکل میں آئی ہے۔ کیونکہ یہ وہ حقائق ہیں جن سے اہل قلم نے نظریں چرائیں اور علامہ کی عظیم خدمات کا اعتراف بھی نہیں کیا۔ جبکہ علامہ شبلی انجمن ترقی اردو کے آغاز یعنی ۵ رجنوری ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۵ء کے آخر تک سکریٹری کے عہدہ پر فائز رہے اور اسے ترقی دینے کے لیے بڑی تگ و دَو کی۔ واقعہ یہ ہے کہ انجمن کو ایک فعال ادارہ انھیں کی سعی و کوشش نے بنایا۔ حالانکہ علامہ اس دور میں بے حد مصروف تھے، وہ حیدرآباد میں ملازمت کرتے تھے۔ باوجود اس کے انھوں نے انجمن ترقی اردو کے لیے بے حد تگ و دَو کی، اس دور میں انجمن کو جو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی وہ علامہ شبلی ہی کی بدولت حاصل ہوئی۔ میرے خیال میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب نے انھیں حقائق کو سامنے لانے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب ان اہل قلم کے لیے ایک مسکت اور زوردار جواب بھی ہے جنھوں نے ان حقائق سے صرف نظر کیا۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے خود اس کتاب کی وجہ تصنیف اور اہل قلم کے اس رویہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''انجمن ترقی اردو پر جن اہل قلم نے کتابیں یا تحقیقی مقالات سپرد قلم کئے ہیں انھوں نے علامہ شبلی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف تو دور کی بات ہے، ان کا مناسب انداز میں ذکر بھی ضرور نہیں سمجھا ہے۔ حالانکہ اس کی تفصیل خود علامہ شبلی نعمانی کے قلم سے اس عہد کے اخبارات و رسائل میں محفوظ ہے۔ زیر نظر کتاب میں علامہ شبلی کی اس مؤسسانہ خدمات کی تفصیل مستند مآخذ سے سپرد قلم کی گئی ہے۔

انجمن ترقی اردو پر مقالہ لکھنے والوں نے یہی ستم نہیں کیا کہ علامہ شبلی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف نہیں کیا یا ان کی کاوشوں کو کم کر کے دکھایا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض اہل قلم نے ان پر بے جا اعتراضات بھی وارد کئے، ان میں ایک اہم نام خود ان کے دوست مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی [۱۸۶۷-۱۹۵۰ء] کا بھی شامل ہے۔ انھوں نے علامہ شبلی کے انجمن سے استعفا کو ان کی بزدلی سے تعبیر کیا اور جب علامہ شبلی کے استعفا کے بعد وہ ان کے جانشین مقرر ہوئے تو خود حوصلہ مندی کا کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے اور اراکین انجمن سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر ۱۹۱۰ء میں مستعفی ہو گئے۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ انجمن ترقی اردو کے بنیاد گذار کی حیثیت سے علامہ شبلی نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اس کو تفصیل سے ضبط تحریر میں لایا جائے اور دکھایا جائے کہ انجمن کو انجمن بنانے میں ان کا کس قدر نمایاں حصہ ہے۔ اور انھوں نے کون کون سی خدمات انجام دیں اور کن علمی و ادبی سلسلوں کی بنیاد ڈالی، جن پر بعد میں انجمن ترقی اردو کی فلک نما تعمیر ہوئی۔'' (صفحہ: ۱۲)

زیر تعارف کتاب (علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو) تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ''علامہ شبلی پر ایک نظر'' کے عنوان سے ہے جس میں علامہ شبلی کے مختصر حالاتِ زندگی کے ساتھ ان کے بنیادی کارناموں کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ باب دوم ''علامہ شبلی بحیثیت مؤسس'' کے نام سے منسوب ہے، اس کے تحت علامہ شبلی کی انجمن ترقی اردو کے لیے جدوجہد اور ان کی متنوع خدمات کی تحقیقات و تفصیلات قلم بند کی گئی ہیں اور اس سلسلے کی علامہ کی ان تمام کوششوں اور کاوشوں کو جہاں تک ممکن تھا ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے انھیں بالترتیب بیان کر دیا ہے اور ان تمام تحریروں پر تعلیقات و حواشی بھی لکھے، متعدد تحریریں توضیح و تشریح طلب بھی تھیں اس لیے ڈاکٹر صاحب کو معتبر تحریروں کی روشنی میں پورا ایک باب لکھنا پڑا جو دراصل اس کتاب کا بنیادی باب ہے۔

کتاب کا تیسرا اور آخری باب ''داستان انجمن: علامہ شبلی کے قلم سے'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں علامہ شبلی کی انجمن سے متعلق ۱۹ تحریروں کو یکجا کیا گیا ہے، اس میں علامہ کی متعدد ایسی نادر تحریریں بھی شامل ہیں جو اخبارات و رسائل کے اوراق میں اب تک دبی ہوئی اور آنکھوں سے اوجھل تھیں۔ ان میں بعض ایسی تحریریں بھی شامل ہیں جو پہلی بار علامہ شبلی کے قدردانوں تک پہنچ رہی ہیں، ان کی یہ نادر تحریریں اس کتاب کا اہم اور بنیادی ماخذ و مصدر ہیں گویا تیسرا باب دوسرے باب کا ماخذ بھی ہے۔ اس میں علامہ شبلی کے قلم سے انجمن ترقی اردو کی تمام رودادیں، رپورٹیں، اشتہارات، اعلانات اور اس سلسلے میں جو خطوط لکھے اور شائع کرائے ان سب کو تسلسل کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے، جس سے خود بخود ساری تفصیلات سامنے آ جاتی ہیں اور ان سے انجمن کے آغاز و ارتقا اور دور تاسیس کی تاریخ اور علامہ شبلی کی مؤسسانہ حیثیت اور جدوجہد بھی واضح ہو جاتی ہے، ان میں بھی انجمن کی رودادوں اور اخباری بیانوں کی بعض تحریریں توضیح طلب تھیں جن پر ڈاکٹر اعظمی صاحب نے تعلیقات و حواشی لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔ نیز رودادوں میں متعدد اغلاط بھی راہ پا گئے تھے، ان کو بھی امکانی حد تک درست کر دیا گیا ہے، کتاب میں تحریروں کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

’’جمع اور ترتیب وتدوین میں ان تحریروں کی تاریخ اشاعت کا خیال رکھا گیا ہے، یعنی یہ تحریریں جس ترتیب سے شائع ہوئی ہیں اسی ترتیب سے انھیں سلسلہ وار یکجا کیا گیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انجمن ترقی اردو کے دور آغاز کی ایک ایک تفصیلات مرتب صورت میں سامنے آجاتی ہیں، لیکن یہ خیال کرنا کہ علامہ شبلی نے محض اتنی ہی تحریریں انجمن ترقی اردو سے متعلق لکھی ہیں درست نہ ہوگا دراصل علامہ شبلی نعمانی کی متعدد تحریروں تک ہماری رسائی نہ ہوسکی۔‘‘ (صفحہ: ۱۴-۱۵)

کتاب مغربی بنگال اردو اکادمی نے شائع کی ہے جو ۲۶۶ صفحات پر مشتمل ہے، قیمت درج نہیں ہے۔ اشاعت ۲۰۲۳ء کی ہے۔ کتاب کا انتساب امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کے نام کیا گیا ہے جو پندرہ سال کی عمر میں انجمن ترقی اردو کے رکن اعزازی منتخب ہوئے اور جن کا ماہنامہ ’’لسان الصدق‘‘ کلکتہ انجمن ترقی اردو کا آرگن قرار پایا تھا۔

مولانا مسیح الدین معروفی قاسمی
شخصیت اور شاعری

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی۔ مدرسہ انوار العلوم۔ پلیا ادائی، انباری، پھول پور۔ اعظم گڈھ، یوپی۔ 9044591657

کسی بھی فرد کو کسی شعبے اور فن میں آگے بڑھنے اور اپنی صلاحیت کا لوہا منوانے میں عمر اور سن کی قید نہیں، جو لوگ اپنی معینہ سمت میں یکسوئی کے ساتھ محنت اور کوشش کرتے رہتے ہیں تو خود ان کے حق میں آگے کی راہ ہموار ہوتی چلی جاتی ہے اور ترقی کے منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

صاحب تذکرہ مولانا مسیح الدین معروفی قاسمی نے اسی فارمولے پر عمل کیا، کام سے کام رکھا، اپنی معینہ جہت میں ہمہ تن مصروف رہے، بلاخوف لومۃ لائم ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنے پسندیدہ مشغلہ شعروسخن سے برابر تعلق رکھا، رفتہ رفتہ اس فن سے اتنا گہرا تعلق ہوگیا کہ شعروسخن کی بیشتر اصناف میں کمال پیدا کرلیا اور کم عمری میں شعرگوئی کی دنیا میں بہتوں کے استاذ بن گئے۔

پیدائش، نام ونسب: 9 / جولائی 1982ء کو پورہ معروف محلہ بانسہ کے ایک معروف گھرانے میں پیدا ہوئے، نام مسیح الدین ہے، والد کا نام قاری ارشاد احمد، دادا کا نام منشی نذیر احمد ہے، دادا منشی نذیر احمد دیندار اور وقت کے پابند انسان تھے، عرصہ دراز تک اعظم گڑھ کے مشہور دینی ادارہ "مدرسۃ الاصلاح" میں منشی کے عہدے پر فائز رہے، غالباً اسی بنیاد پر "منشی" ان کے نام کا جزولاینفک بن گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ادھر تقریباً دو دہائی سے ان کے چھوٹے صاحب زادے مولانا صلاح الدین اصلاحی معروفی اسی ادارہ میں شعبہ عربی کے استاذ ہیں۔ مولانا مسیح الدین معروفی نے اپنا تخلص دادا کی نام پر نذیری رکھا، اس وقت نام سے زیادہ نذیری سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

تحصیل علم:

ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم محلہ بانسہ، مدرسہ اشاعت العلوم پارہ، پورہ معروف میں حاصل کی، عربی کی تعلیم متوسطات تک مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں حاصل کرکے 1999ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، جہاں دو سال رہ کر 2001ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، بعد فراغت دو سال شیخ الہند اکیڈمی میں رہ کر صحافت ومضمون نگاری کا کورس مکمل کیا، اس دوران اساتذہ کی سرپرستی میں وقت کے حالات اور سلگتے موضوعات پر بہت سے مضامین قلم بند فرمائے جو مؤقر اخبارات ورسائل میں چھپتے رہے، پھر مولانا آزاد یونیورسیٹی سے ایم اے کیا۔ معروف اساتذہ میں مولانا امام الدین صاحب، مولانا انیس الرحمن صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب مکی، مولانا فیاض احمد صاحب مئو، بحرالعلوم مولانا نعمت اللہ صاحب، مولانا عبدالخالق مدراسی صاحب، مولانا ارشد مدنی

صاحب، شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

شعروسخن: فراغت کے بعد ابتدائی مراحل میں چند سال تدریس سے وابستہ گرچہ رہے مگر تدریس کی طرف رجحان کم اور دیگر علمی ادبی کاموں کی طرف میلان زیادہ رہا۔ طالب علمی کے زمانے سے ادبی کتابوں سے گہرا تعلق رہا، ماہانہ رسالے، میگزین، ناول اور شعرا کے دیوان سے کافی دلچسپی رہی، ان کو اس انداز سے پڑھا کہ ان کو ادبی کتابوں سے عشق ہوگیا، اور یہی عشق آگے چل کر ان کی نظموں غزلوں کی تخلیق کا باعث بنا۔ مولانا مسیح الدین شروع سے زیرک وذہین اور اپنے ساتھیوں میں نمایاں تھے، پڑھنے کے دوران ہی اشعار کہنے شروع کردیے تھے، رفتہ رفتہ شعروسخن سے ایسی دلچسپی پیدا ہوگئی کہ شاعری ان کے مزاج کا حصہ بن گئی، اردو ادب کی بیشتر اصناف نظم، نعت، حمد غزل اور قصیدے وغیرہ پہ ان کا قلم خوب چلا۔ اور عوام وخواص سے داد وتحسین بھی وصول کیا۔ بطور نمونہ کچھ نعت اور غزل کے اشعار قارئین کی نذر کررہے ہیں۔

حمد پاک

زمیں سے تا بہ فلک سارے زاویئے تیرے
کہ کائنات میں پھیلے ہیں سلسلے تیرے

جسے یقین نہ آئے صمیم دل سے سنے
سنائی دیں گے ہواؤں میں زمزمے تیرے

کوئی جو دیکھنا چاہے تو کوئی عذر نہیں
ہر اک جگہ نظر آتے ہیں آئینے تیرے

کوئی کجی نہیں ٹھوکر نہیں نہ موڑ کہیں
ہر اک جگہ سے مکمل ہیں راستے تیرے

تو نظر آتا نہیں لیکن حقیقت ہے تو ہے
میرے مولیٰ تو ہر اک شی میں سرایت ہے تو ہے

از زمین تا آسماں ہر سمت تا حد نظر
جلوہ زن اللہ تیری شان رحمت ہے تو ہے

تو دکھائی دے نہ دے لیکن مرا ایمان ہے
اپنی جاں سے بھی زیادہ تیری قربت ہے تو ہے

بات یہ سچ ہے کسی کو تو نظر آتا نہیں
ذرے ذرے سے مگر تیری وضاحت ہے تو ہے

بے نیازی اس قدر تیری کہ اللہ الصمد
اور سب مخلوق کو تیری ضرورت ہے تو ہے

یہ مرا ظاہر نذیری اور دنیائے دروں
سب خدا کی خاص رحمت کی بدولت ہے تو ہے

نعت

وہ رحمن ورحیم ایسا کہ رحمت ناز کرتی ہے
خدا وہ قادر مطلق کہ قدرت ناز کرتی ہے

نبوت ناز کرتی ہے رسالت ناز کرتی ہے
محمد مصطفی پر ہر فضیلت ناز کرتی ہے

نبی چلتے ہیں جب راہیں مہک جاتی ہیں خوشبو سے
نبی جب بات کرتے ہیں حلاوت ناز کرتی ہے

خدا ہے مصطفیٰ ہیں بیچ میں پردہ نہیں کوئی
قریب اتنے کہ اس قربت پہ قربت ناز کرتی ہے

شہنشاہ دو عالم ٹاٹ کے بستر پہ سوتے ہیں
قناعت دیکھ کر ان کی قناعت ناز کرتی ہے

ـــــــــ

جس نے دیکھا شہ کونین کے دربار کا رنگ
اس کو ہر رنگ زمانہ لگے بیکار کا رنگ

امن مل جائے سسکتی ہوئی دنیا تجھ کو
تجھ پہ چڑھ جائے اگر سید ابرار کا رنگ

ہجر کے کرب سے کچھ اور نکھر جاتا ہے
شہر طیبہ ترے عاشق تیرے بیمار کا رنگ

آؤ کہ تمہیں چوم لوں اے خار مدینہ
تو نے تو بہت دیکھے ہیں انوار مدینہ

اے باد صبا آنا دبے پاؤں ادب سے
آرام جہاں کرتے ہیں سرکار مدینہ

کس ذات کی آمد ہے کہ مشتاق ہیں سارے
آنکھوں کو بچھائے ہوئے انصار مدینہ

بوبکر و عمر حیدر و عثماں ہیں یہیں پر
آ بیٹھ گناؤں تجھے مینار مدینہ

کیوں چوم نہ لے آنکھ بصد شوق نذیری
تم حاجیو کر آئے ہو دیدار مدینہ

جس دل میں شہ دین کا اکرام نہیں ہے
جنت کے مکینوں میں وہی نام نہیں ہے

جو ان کے بتائے ہوئے رستے پہ چلا ہے
شاہد ہے زمانہ کبھی ناکام نہیں ہے

تو ہم کو محمد کی محبت سے ہٹا دے

اوقات تری گردش ایام نہیں ہے

غزل

نہیں تھی کوئی حقیقت مگر اڑائی گئی
تمہارے آنے کی جھوٹی خبر اڑائی گئی

اتاؤلے تھے سبھی کب کوئی خبر آئے
ادھر ذرا ہوئی آہٹ ادھر اڑائی گئی

اسی لیے کہ کوئی ہم سے بدگمان رہے
ہمارے بارے میں بے بال و پر اڑائی گئی

وصول ہم سے ہوا تھا محبتوں کا خراج
وفا ہمیشہ کسی اور پر اڑائی گئی

بیان جو کچھ کیا جاتا ہے سب ویسا نہیں تھا
بچھڑ جانا ترا اک عام سا صدمہ نہیں تھا

اداسی میں گذر جاتے تھے دن رونے میں راتیں
تمہارے بعد کتنے سال میں سویا نہیں تھا

سنا تھا بے وفائی توڑ دیتی ہے دلوں کو
مگر اتنا بھیانک درد اندازہ نہیں تھا

انھیں مجھ سے محبت تھی مجھے ان سے محبت
جدا ہونا ہے، دونوں نے کبھی سوچا نہیں تھا

آپ کیجے مداوی مری تنہائی کا
دم نکل جائے نہ یوں آپ کے شیدائی کا

میرے اشعار پڑھے جاتے ہیں جس محفل میں
تذکرہ آتا ہے فوراً تری زیبائی کا

آپ پھر کیوں نہیں کر لیتے کنارا اس سے
عشق میں خوف ہے جب آپ کو رسوائی کا

تنگ دستی کی خبر ہوگئی اس کو شاید
بدلا بدلا سا رویہ ہے مرے بھائی کا

مولانا کو قدرت کی طرف سے شعر فہمی اور شعر گوئی کا پاکیزہ ذوق ملا، اسی وجہ سے مدرسہ میں ملازمت کا زمانہ رہا ہو یا کسی ٹراویلس آفس میں کام کرنے کا، تخلیقی کاوشوں سے رشتہ اور قلم سے ناطہ نہیں توڑا، بلکہ اردو عربی زبان پر خاصی توجہ بھی رہی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مولانا موصوف کا "ساقی کوثر کی بات" کے نام سے نعتوں کا مجموعہ اور" کسک" کے نام سے غزلوں کا مجموعہ طباعت کے مرحلے میں ہے، ان شاءاللہ العزیز جلد ہی دونوں مجموعہ منظر عام پر آئے گا۔ مولانا نعت گوئی وغزل گوئی میں یکساں قدرت رکھتے ہیں اور ان دونوں صنفوں کے حوالے سے شاعری کی دنیا میں خاصی پہچان بنا رکھی ہے، آپ کی صدارت ونظامت میں بڑے بڑے آن لائن مشاعرے بھی ہوتے ہیں۔ نعتیہ وغزلیہ شاعری کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کے مناسب مراثی ومناقب بھی لکھے، سہرے اور چندے کے لیے نظمیں بھی، جو اپنے علاقے میں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

دارالعلوم امدادیہ ممبئی کے شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب بستوی کے سانحہ ارتحال پر نہایت برجستہ ایک چھوٹی بحر میں نظم کہی جو بہت پسند کی گئی جبکہ چھوٹی بحر میں صاف ستھری، مبالغہ آرائی سے پاک کوئی نظم لکھنا مشکل ہوتا ہے مگر مولانا کا یہ کمال ہے کہ تمام تر مشغولیت کے باوجود کسی عظیم شخصیت کی رحلت پر موزوں تعزیتی کلام فوراً منظر عام پر لا دیتے ہیں، جیسا کہ شیخ بستوی صاحب کی وفات پر ایک طویل نظم لکھی جس کے چند اشعار ملاحظہ فرماتے چلیں۔

اک چراغِ وفا غلام رسول
تھے بہت خوش ادا غلام رسول

سادگی میں مثال تھے اپنی
سنتوں پر فدا غلام رسول

آنکھ ہے اشکبار دل رنجور
ہم سے اب ہیں جدا غلام رسول

عمر گذری حدیث و قرآں میں
آپ کی با خدا غلام رسول

آپ تو جا چکے مگر اب بھی
دل نہیں مانتا غلام رسول

اک جہاں آپ کے فراق میں ہے
غم میں ڈوبا ہوا غلام رسول

علم و دانش عمل وفا شفقت
آپ میں کیا نہ تھا غلام رسول

سوچتے ہیں تو کانپ جاتے ہیں
ہم نے اب کھو دیا غلام رسول

آپ کے پاس بیٹھ کر جانا
ہم نے اچھا برا غلام رسول

آپ کو خلد میں مقام عظیم
بخش دیگا خدا غلام رسول

واقعی آپ تھے غلام ان کے
نام جن پر رکھا غلام رسول

ہم نذیری کہاں سے پائیں گے
اب کوئی دوسرا غلام رسول

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

استاذ الشعرا جناب ارتضی نشاط کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کرتے ہیں زیادہ بولتے کم ارتضیٰ نشاط
یہ ہیں ہمارے پیرحرم ارتضیٰ نشاط

ایسے خبرسنی ہے ترے انتقال کی
جیسے پھٹا ہو کان میں بم ارتضیٰ نشاط

اب کون ہم کو حوصلہ دے گا اڑان میں
اب ہیں مکین باغ ارم ارتضیٰ نشاط

کس نے دیا وقار ادب کو؟ سوال تھا
میں نے کہا خدا کی قسم ارتضیٰ نشاط

مولانا نے جس رنگ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے لگتا ہے کسی کہنہ مشق شاعر کا کلام ہے، اشعار میں بلا کی تاثیر اور جاذبیت ہے۔ مولانا مسیح الدین معروفی محنتی، جفاکش، ملنسار، سادہ مزاج اور علم دوست انسان ہیں، فی الحال ممبرا ممبئی میں مقیم وویزہ اینڈ امیگریشن اینڈ منسٹریٹر (ٹرانس ایشیا انٹگریٹ سرویس) جوگیشوری ممبئی کی آفس میں برسرروزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو مزید علمی ترقیات سے نوازے آمین۔ رابطہ نمبر -9321372295

عربی حکایت

مولانا مسعود عالم قاسمی معروفی، استاذ حدیث جامعہ ہاجرہ، پورہ معروف

ایک بوڑھے باپ نے اپنے بیٹے کو بلا کر ایک پرانی خستہ حال گھڑی دی اور کہا: بیٹا یہ گھڑی تمہارے پردادا کی ہے۔۔ اس گھڑی کی عمر دوسو سال ہوگی ۔۔۔ یہ گھڑی میں تمہیں دینا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔ وہ یہ کہ اسے لیکر گھڑیوں کی دکان پر جاؤ اور ان سے پوچھو کہ وہ یہ گھڑی کتنے میں خریدیں گے؟

وہ لڑکا جب واپس لوٹا تو کہنے لگا۔۔ دکان دار گھڑی کی حالت دیکھتے ہوئے پانچ درھم سے زیادہ قیمت دینے کو تیار نہیں۔ کہا: اب اسے وہاں لے جاکر بیچنے کی خواہش کا اظہار کرو جہاں نوادرات فروخت ہوتے ہیں۔ وہ لڑکا جب وہاں سے واپس آیا تو بولا، وہ لوگ پانچ ہزار درھم دینے کو تیار ہیں۔
یہ سن کر وہ شخص بولا: اب اسے عجائب گھر لے جاؤ اور فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کرو۔ لڑکے نے واپس آکر کہا" وہ لوگ اسے پچاس ہزار درھم میں خریدنے کو تیار ہیں"۔

یہ سن کر اس بوڑھے شخص نے بیٹے کو مخاطب کیا اور کہا: " بیٹا۔۔گھڑی کی قیمت لگا کر میں تمہیں سمجھانا چاہتا تھا اپنی ذات کو اس جگہ ضائع نہ کرنا جہاں تمہاری قدرو منزلت نا ہو۔۔۔تمہاری اہمیت کا اندازہ وہیں لگایا جائیگا جہاں پرکھنے کی سمجھ ہوگی۔

دیکھا جائے تو بہت سے لوگ اپنی صلاحیتوں کو ایسی جگہ ضائع کر رہے ہوتے ہیں جہاں سوائے وقت ضائع کرنے کے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔۔ساتھ ہی غیر ضروری طور پر غیرِ محل اپنی اہمیت کا احساس جتانا بھی درست نہیں۔۔

استاذ محترم فرمایا کرتے تھے" اپنی صلاحیتوں، خوبیوں کو صحیح سمت استعمال کرو۔۔۔ایسی جگہ خود کو مت تھکاؤ جہاں بدلے میں سوائے تھکاوٹ کے کچھ حاصل نہ ہو۔

نیکیوں کی حفاظت

مولانا صفی اللہ حاجی نصرالدین معروفی پورہ معروف ضلع مئو۔

دنیا میں انسان اگر کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو بدون۔محنت کے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی؛ مثلا ایک آدمی جب پیسہ کماتا ہے تو بہت مشقت اٹھاتا ہے تب پیسہ ہاتھ میں آتا ہے اور ہاتھ میں آنے کے بعد اسکی حفاظت کرتا ہے کہ کہیں گم نہ ہو جاے یا چور کے ھاتھ نہ لگ جاے، ٹھیک اسی طرح سے اگر کسی آدمی کو چوبیس گھنٹے کی زندگی میں کسی نیک کام کی توفیق ہو جاے تو اسکی حفاظت کرنی چاہئے، حفاظت اس طرح کرے کہ کسی کی چغلی؛ غیبت؛ شکایت اور مزید اسکے علاوہ دوسرے غلط کاموں سے پرہیز کرے اگر ایسا نہیں کرتا تو کمائی ہوئی نیکی دوسرے کے کھاتے میں جاسکتی ہے یعنی وہ برباد ہو جاے گی۔

مدینہ منورہ میں ایک دیوانی عورت تھی؛ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید پارہ نمبر چودہ رکوع نمبر اٹھارہ میں۔ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسانو! اس عورت کی طرح مت ہو جانا جو دن بھر ایک مضبوط قسم کا دھاگا کات کر اسکو اٹیرن پر لپیٹ دیتی لیکن جب شام کا وقت ہوتا تو اپنے کاتے ہوے سوت کو نوچ ڈالتی یعنی اسکو برباد کر دیتی؛ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں جگہ جگہ مثال دے کر لوگوں کو سمجھایا ہے، کیونکہ مثال سے بات جلدی واضح اور سمجھ میں آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ایک ہی بات کو بہت ساری جگھوں پر دھرایا ہے، اسکا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ میرا بندہ میری بات کو سمجھ کر جہنم کی آگ سے بچ جاے جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو جب کوئی بات سمجھانے پر آمادہ ہوتا ہے تو ایک ہی بات کو بار بار دھراتا ہے کہ اسکے دل میں میری بات اتر جاے۔